WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف سورۂ کہف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام: کیونکہ اس سورت میں اصحاب کہف کا ذکر ہے۔ اس مناسبت سے اس کا نام الکھف رکھا گیا۔

نزول: یہ سورت باتفاق علماء مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آٹھویں اور دسویں سال کی درمیانی مدت میں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم اس کی آیتوں کی تعداد ایک سو دس ہے یہ ایک ہزار پانچ سو ستتر کلمات اور چھ ہزار تین سو ساٹھ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین: اس سورت کا آغاز حمد باری تعالیٰ سے کیا گیا۔ ساتھ ہی اس کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ اللہ تعالیٰ وہ کریم اور رحیم ہے جس نے دنیائے انسانیت کو رشد و ہدایت کا ایسا صحیفہ عنایت فرمایا جو خود بھی ہر قسم کی کجی اور خامی سے پاک ہے اور اس کے ساتھ انسانی زندگی کے کسی شعبہ میں سیاسی، معاشی، قانونی اور اخلاقی جہاں کوئی کجی یا خامی افراط و تفریط پائی جا سکتی ہے وہ اس کی اصلاح اور درستی کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ مزید کرم یہ فرمایا کہ ایسی کتاب لانے کے لیے کوئی عام انسان مقرر نہیں کیا جس کی صورت و سیرت میں کوئی کشش نہ ہو جس کے قول و فعل میں کوئی جاذبیت نہ ہو۔ جو خاموشی سے آئے، کتاب پہنچائے اور چپکے سے چلا جائے۔ بلکہ ایک ایسے بندے کو دعوتِ حق کا پیغامبر بنا کر بھیجا جو اس کا محبوب ترین بندہ ہے جس کی آمد سے کفر و فسق کی تاریک اور طویل رات ختم ہوئی۔ نورِ حق و صداقت کی صبح طلوع ہوئی۔ لات و ہبل کی جھوٹی خدائی کا تختہ الٹ دیا گیا خفتہ بخت انسان خوابِ غفلت سے جاگ اٹھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر ایسے رحیم و کریم خدا کی حمد و ثنا نہ کی جائے تو اور کون ہے جو اس کا مستحق ہو۔

ایک خدا فراموش و دنیا پرست انسان کا جو نفسیاتی تجزیہ اس سورت میں کیا گیا ہے اسے پڑھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ قرآن کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ خالق انسان کا کلام ہے جو اس کے نظریات اور قلبی خطرات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ آیات نمبر ۳۴ تا ۴۴ میں ایک دنیا پرست کی کم ظرفی، خود بینی اور خود فریبی کا تذکرہ کیا گیا۔ وہ ایک خدا پرست انسان سے جو دولت میں اس سے کم ہے اثنائے گفتگو یہ کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتا کہ اس کے پاس دولت بھی زیادہ ہے اور اس کے خادموں اور نوکروں کی تعداد بھی اس سے زیادہ ہے حالانکہ کسی غریب آدمی کے سامنے اپنی ثروت کی فراوانی بیان کرنا اور اسکو احساس غربت دلانا کم ظرفی اور خود بینی کی انتہا ہے۔ مزید برآں وہ قیامت کا منکر ہے اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اگر قیامت آ بھی

گئی تو اس روز بھی اسی کو عزت و کرامت کی مسند پر بٹھایا جائے گا۔ اور اہلِ ایمان جو اس دنیا میں کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ اس روز بھی وہی ذلیل و خوار ہونگے۔ یہ اس کی خود فریبی کی انتہا ہے۔ آیات ۱۰۳،۱۰۴ اور ۱۰۴ میں یہ بتایا کہ ایسے شخص کی ساری جدوجہد اور دوڑ دھوپ فقط دنیوی زندگی کو باعزت اور آرام دہ بنانے کے لیے وقف ہو جاتی ہے اسے کبھی اپنی عاقبت سنوارنے کا نہ خیال آتا ہے نہ فرصت ملتی ہے۔ آیت نمبر ۵۵ میں یہ بتایا گیا کہ اگر ایسے لوگوں کو اپنی گمراہیوں سے باز آنے اور بدکاریوں سے تائب ہونے کی دعوت دی جائے تو وہ اس سے بروقت فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے اور بدقسمتی سے انھوں نے اس دعوت کی صداقت کا ایک ہی معیار مقرر کر رکھا ہے کہ اگر ان پر عذاب آگیا تو دعوت سچی ورنہ جھوٹی۔ ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ جب تمھاری گمراہیوں کی پاداش میں تم پر عذاب آگیا اور تمھیں دوزخ کا ایندھن بنا دیا گیا تو اب اگر تم نے اس دعوت کی صداقت کو تسلیم کر بھی لیا تو تمھیں اس سے کیا فائدہ پہنچے گا۔ ہر دنیا پرست کی ہر زمانہ میں پہلے بھی اور آج بھی یہی ذہنیت رہی ہے اور سوچ بچار کا یہی انداز رہا ہے۔ اس لیے ہر ایک کو ایک ہی انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو بروقت متنبہ ہو کر اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے کہ یہ مال و دولت یہ جاہ و حشمت یہ فرزند و زن اس دنیا کی زینت ہیں۔ جس طرح یہ دنیا فانی ہے اس کی زیب و زینت کے سارے سامان بھی فانی ہیں یہ اس قابل نہیں کہ کوئی مومن اس کی محبت میں اتنا دل بستہ اور اس کی چاہت میں ایسے ہوش باختہ ہو جائے کہ اپنے خدا کو اور اپنے انجام کو بھی فراموش کر دے۔ دل لگانے کے قابل تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ طلب تو صرف اس کی رضا کی ہونی چاہیے اور زندگی کی اس محدود فرصت میں ایسے نیک، مفید اور نتیجہ خیز کام کرنے چاہئیں۔ جو کبھی فنا آشنا نہ ہوں۔ والباقیات الصالحات خیرٌ عند ربک ثوابًا وخیرٌ املًا۔ (آیت نمبر ۴۶) کے دلنشیں الفاظ سے اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی۔

حکمت و دانش کے ان انمول جگمگاتے ہوئے موتیوں کے علاوہ جن سے اس سورۃ کا دامن مرصع ہے تین واقعات کا بیان شرح و بسط سے کیا گیا ہے اصحاب کہف، حضرت موسیٰ کا سفر اور ذوالقرنین۔ ان کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں مختصراً اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اصحاب کہف کا ذکر کرکے ان مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ تم سے پہلے بھی حق قبول کرنے والوں کو طرح طرح کی اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا۔ انھوں نے محض اپنا ایمان بچانے کے لیے اپنے وطن کو چھوڑا اور ایک غار میں پناہ لی۔ تو تم تو غلامانِ حبیبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والثنا ہو تمھیں کفار کی ان اذیت رسانیوں کے باعث حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے بلکہ بڑی ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح تمھیں اوج کمال تک پہنچاتا ہے اور کس طرح تمھیں ابدی عزتوں سے سرفراز کرتا ہے۔ اسی ضمن میں کفار کو یہ بھی بتا دیا کہ جو ذات اصحاب کہف کو سینکڑوں سال کے بعد از سرِ نو زندگی عطا فرما سکتی ہے وہ تمھیں بھی روزِ حشر زندہ کرکے اٹھا سکتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر سے علم و حکمت کے حصول کی اہمیت کا درس دیا۔ اس کے ضمن میں چند واقعات بیان کرکے ایک پیچیدہ عقدہ کو بھی حل فرما دیا۔ اس دنیا میں اکثر ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں جن کی ہم کوئی توجیہ نہیں کر سکتے

باہم انھیں عدل وحکمت کے تقاضوں کے سراسر منافی سمجھتے ہیں حقیقت میں یہ ہماری اپنی کم فہمی ہوتی ہے۔ اگران سے پردہ ہٹایا جائے تو ان کا عین عدل وحکمت ہونا اظہر من الشمس ہوجائے۔ جس طرح ان تین واقعات سے جب حضرت خضر علیہ السلام نے پردہ اٹھایا تو حضرت کلیم اللہ کی برہمی اور ناراضگی خود بخود دور ہوگئی اور انھیں اپنے اعتراضات واپس لینے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا۔

ذوالقرنین کا واقعہ بیان کرکے ایک مومن حکمران کی خوبیوں کو ظاہر فرمایا کہ وہ باوجود قوت واقتدار کے اپنی رعایا کے لیے مہربان، عادل اور شفیق ہوتا ہے۔

آخری دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عظمت اور جلال کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ارشاد ہے اگر سمندر سیاہی بن جائیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی آیات عظمت وجلال کو قلم بند کیا جائے تو سمندر خشک ہوجائیں۔ لیکن اس کی صفات کا بیان پھر بھی تشنۂ تکمیل رہے۔

حضور نبی اکرم کی زبان سے یہ اعلان کرایا کہ میں بشر ہوں۔ خدا نہیں۔ خدا وہی ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے جس کا میں بھی بندہ ہوں اور ساری کائنات بھی اس کی مخلوق اور اس کے سامنے سرافگندہ ہے۔ اس آیت سے اس صداقت کو ثابت کیا کہ جب یہ مرقع حسن وکمال باایں ہمہ زیبائی ودلربائی خدا نہیں تو اور کون ہے جو خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ جب زبان مصطفےٰ یہ اعلان کر رہی ہو لاالٰہ الا اللہ تو کائنات کی ہر چیز طوعاً وکرہاً کہنا پڑے گا اشھد ان لاالٰہ الا اللہ بعض کم نظر لوگ اس آیت کریمہ سے شان حبیب کبریا کی تنقیص کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے اور دل بینا کو وہ عظمتیں جو نام پاک محمد (تعریف کیا ہوا) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں پنہاں ہیں پوری آب وتاب سے دکھائی دے رہی ہیں۔ ؎

دل بینا بھی کر خدا سے طلب　　آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّعَشْرُ اٰيٰتٍ فِي اثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ کہف مکی ہے اسکی آیتیں ۱۱۰ اور رکوع ۱۲ ہیں۔ (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب اور نہیں پیدا ہونے دی اس میں ذرا

لے اس سے پہلی سورت کا اختتام بھی حمد سے ہوا اور اس سورت کا آغاز بھی حمد سے کیا جا رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر خوبی و کمال جس کا ظہور اختیار اور ارادہ سے ہو۔ اس کی ستائش و ثنا کو عربی میں حمد کہتے ہیں۔ سابقہ سورت کی آخری آیتوں میں ان خوبیوں اور کمالات کا ذکر ہوا جن سے ذاتِ الٰہی متصف ہے۔ اس آیت میں اس کی صفت جود و کرم کا بیان ہے۔ جس نے ناقصوں کو کامل، گم کردہ راہوں کو خضر کارواں اور ابجد ناشناسوں کو نہاں خانۂ تقدیر کا راز داں بنا دیا۔ اس لیے فرمایا سب ستائشیں اسی ذات کو زیبا ہیں جس نے اپنے محبوب بندے پر یہ کتاب نازل فرما کر انسانیت کی شب دیجور کو صبح نور سے آشنا کیا ہے۔ عبدہٗ سے مراد صاحبِ قرآن اور الکتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ عبدہٗ میں کوئی التباس نہیں۔ کیونکہ مقام عبدیت کاملہ پر صرف یہی ذات بابرکات فائز ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی چیز کسی صفت میں اوجِ کمال پر پہنچتی ہے تو جب اس صفت کو مطلقاً ذکر کیا جائے گا تو اس سے مراد وہی موصوف ہوگا۔

ع جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

جس کسی کو عبدیت کا جتنا کچھ عرفان نصیب ہوا اسی کے طفیل ہوا۔ ؎

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ
فَهُوَ الَّذِيْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

ترجمہ:۔ تمام انبیاء حضور کے بحر کرم سے چلو بھر رہے ہیں اور حضور کے ابر رحمت سے ہونٹ تر کر رہے ہیں۔ یہی وہ ذاتِ اقدس ہے جس کا ظاہر و باطن مکمل ہے۔ پھر کائنات کے خالق نے اس سراپا حسن و خوبی کو اپنا حبیب منتخب فرمایا ہے۔

اسی طرح جب الکتاب کہا جائے گا تو فوراً ذہن اس صحیفۂ کاملہ اور نسخۂ کیمیا کی طرف منتقل ہوگا جو قرآن کے نام سے ہمارے پاس موجود ہے۔ جس طرح صاحب کتاب اپنی شانِ عبدیت اور مقامِ بندگی میں بے نظیر ہے۔ اسی طرح یہ کتاب بھی بے عدیل ہے۔

لے اسی کتاب کی ایک شان بیان فرمائی کہ اس کی عبارت اور اس کا معنی اس کا ظاہر اور اس کا باطن ہر قسم کی کجی سے مبرا ہے۔ عِوَجٌ یعنی اگر عین مکسور ہو تو اس سے مراد معنوی کجی ہوتا ہے اور اگر عَوَجٌ ہو یعنی عین مفتوح ہو تو اس سے مراد ظاہری ٹیڑھا پن ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں فی دینہ عِوَجٌ و فی عصاہ عَوَجٌ اور عِوَجًا کی تنوین تقلیل کی ہے یعنی اس میں ذرا سی بھی کجی نہیں ہے۔ علامہ راغب اصفہانی اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ٹیڑھا پن جو آنکھ سے دیکھا جائے اسے عَوَج کہتے ہیں اور وہ کجی جو فکر اور بصیرت سے معلوم ہو اسے عِوَج کہتے ہیں العوج يقال في ما يدرك بالبصر سهلا كالخشب المنتصب ونحوه يقال في ما يدرك بالفكر والبصيرة في الدين والمعاش (مفردات)

عِوَجًا ۝١ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

کجی اور معاش و معاد کو درست کرنے والی تاکہ ڈرائے سخت گرفت سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی اور مژدہ سنائے ان اہل ایمان کو

الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝٢ مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ

جو کرتے ہیں نیک اعمال کہ بیشک ان کے لیے بہت عمدہ جزا ہے وہ ٹھیریں گے اس (جنت) میں

اَبَدًا ۝٣ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝٤ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ

تا ابد اور تاکہ ڈرائے ان (نادانوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے (فلاں کو) اپنا بیٹا نہیں انھیں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا

۱؎ اس کتاب کی ایک صفت تو یہ ہے کہ اس میں کوئی کجی، کوئی خامی نہیں اور دوسری صفت یہ ہے کہ وہ دوسروں کی کجیوں اور خامیوں کی اصلاح کرتی ہے اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ایسی بنیادوں پر استوار کرتی ہے کہ ان میں پھر خلل راہ نہیں پا سکتا۔

"قیما" ای ثابتا مقوما لامور معاشهم و معادهم۔

۲؎ اس جملہ میں ایسے عظیم الرتبت صحیفہ یعنی ایسی جلیل القدر کتاب کے نزول کا مقصد حقیقی بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اس کا مقصد صرف یہی نہیں کہ اسے ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر دفع بلیات و آفات کے لیے گھر کے کسی اونچے طاق پر رکھ دیا جائے یا طوطے کی طرح اس کی آیات کو گاہ گاہ بن سمجھے پڑھ لیا جائے۔ یہ تو کاروان انسانیت کا رخ موڑنے کے لیے اس کے بخت خفتہ کو بیدار کرنے کے لیے اس کے شولیدہ افکار کو نکھارنے کے لیے اتاری گئی ہے۔ یہ نابکاروں کو گم کردہ راہ مسافروں کو متنبہ کرتی ہے کہ وہ بروقت اصلاح احوال کی کوشش میں لگ جائیں ورنہ اپنے آپ کو اس عذاب کے لیے تیار کر لیں جس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

۳؎ اور جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور راہ حق پر چل پڑے اور اپنے نظریات کی صداقت پر اعمال حسنہ کی گواہی پیش کر دی انھیں یہ کتاب مژدہ سناتی ہے کہ تکلیفوں سے مت گھبراؤ۔ ثابت قدمی سے آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ رحمت خداوندی نے جنت فردوس کی بہاروں کو حکم دیا ہے کہ جادۂ عشق و محبت کے آبلہ پا مسافروں پر نچھاور کرنے کیلئے پھول چن رکھیں جن کی مہک اور جن کی رنگت ان کے بلند حوصلوں کی شایان شان ہو اور انھیں یہ بھی بتا دو کہ یہ بہار خزاں آشنا نہ ہوگی وہ ہمیشہ ہمیشہ اس سے لذت و سرور حاصل کرتے رہیں گے۔

۴؎ عرب میں بت پرستی اور شرک کی گونا گوں شکلیں مروج تھیں۔ ان میں سے ایک شکل یہ تھی کہ بعض لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں (نعوذ باللہ) یقین کرتے تھے اور ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔ یہ کتاب کفر و شرک کی ساری صورتوں کو محو کرنے کے لیے آئی ہے۔ خصوصاً یہ عقیدہ شرک جس کو عقل اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود قبول کرنے کے لیے تیار نہیں جو محض جہالت، حماقت اور اندھی تقلید کا نتیجہ ہے۔ اس غلط اور اعتقاد عقیدہ کے خوفناک نتائج سے آگاہ کرنا بھی اس کتاب کے مقاصد سے ہے۔

عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ

کچھ علم ہے اور نہ انکے باپ دادا کو کتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے منہوں سے شہ وہ نہیں

يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ

کہتے ہیں مگر (سراسر) جھوٹ۔ تو کیا آپ (فرط غم سے) تلف کر دیں گے اپنی جان کو انکے پیچھے اگر وہ

يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَي الْاَرْضِ زِيْنَةً

ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے شہ بیشک ہم نے بنایا ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں انکے لیے باعث زینت

لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا

آرائش تاکہ ہم انھیں آزمائیں کہ ان میں سے کون بلحاظ عمل کے بہتر ہے شہ اور ہم ہی بنانے والے ہیں ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں۔

شہ اس کا فاعل 'ھی' ضمیر ہے جو اس میں مستتر ہے۔ اور کلمۃ اس کی تمیز ہے اس لیے منصوب ہے اور یہ اسلوب کلام اظہار تعجب کے لیے اختیار کیا گیا ہے یعنی یہ نادان کتنی نازیبا، کتنی نامعقول بات اپنی زبان پر لا رہے ہیں اور کتنا سفید جھوٹ بول رہے ہیں۔

شہ اُدھر جور و جفا کا یہ حال ہے کہ کسی معقول بات پر بھی غور نہیں کرتے بلکہ الٹا مذاق اڑاتے ہیں اور ادھر رافت و رحمت کی یہ کیفیت ہے کہ ہر قیمت پر انھیں ہلاکت کے گرداب میں گرنے سے بچانے کا خیال ہر وقت بے چین رکھتا ہے۔ مسجد حرام کے صحن میں، بازار مکہ کی ہنگامہ پرور فضاؤں میں، ان کی نشستگاہوں میں اور ان کے خلوت کدوں میں جا جا کر انھیں سمجھایا جا رہا ہے۔ وہ بار بار جھڑکتے ہیں۔ ناراض ہوتے ہیں۔ پھبتیاں کستے ہیں لیکن اخلاص و محبت کا یہ چشمہ رواں ہی رہتا ہے جب رات کی خاموشی چھا جاتی ہے۔ ساری آنکھیں محو خواب ہوتی ہیں۔ تو یہ اٹھتا ہے اپنا سر نیاز بارگاہ بے نیاز میں جھکاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر ان کی ہدایت کے لیے درد و سوز میں ڈوبی ہوئی التجائیں کرتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ہدایت کی روشنی سے محروم رہا تو اس کی جان پر بن آئے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی اس بے چینی اور اضطراب کو دیکھتا ہے جس میں کوئی ذاتی منفعت نہیں۔ وہ ان آہوں کے سوز سے واقف ہے۔ وہ ان آنسوؤں کو جانتا ہے جو اس کے محبوب کی چشم مازاغ کی پلکوں پر جھلملاتے ہیں اور پھر اس کے حضور اس کی رحمت کی بھیک مانگنے کے لیے گر پڑتے ہیں۔ یہ بے خوابیاں، یہ بے تابیاں کن کے لیے ہیں؟ ان کے لیے جو جان کے دشمن اور خون کے پیاسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو تسلی دیتے ہیں کہ اتنا غم نہ کیجیے۔ بخع کا معنی ہے غم و اندوہ سے جان تلف کر دینا۔ البخع قتل النفس غما۔ (مفردات)

شہ یہ باغ و بہار، یہ مرغزار و کوہسار، یہ گل و عندلیب، یہ بہتے ہوئے دریا، یہ پھیلے ہوئے صحرا، یہ صبح کا اجالا اور مغرب کی شفق،

صَعِيدًا جُرُزًا ﴿٨﴾ أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ

ویران کر کے چٹیل میدان غیر آباد[۱۰] کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے[۱۱]

كَانُوا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿٩﴾ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا

ہماری ان نشانیوں میں سے ہیں جو تعجب خیز ہیں۔ (یاد کرو) جب پناہ لی ان جوانوں نے غار میں پھر انھوں نے دعا مانگی اے ہمارے رب!

غرضیکہ حسن و جمال کی یہ نمائش جو ہر جگہ ہو رہی ہے اس لیے نہیں کہ لوگ اس میں کھو جائیں اور داد عیش دیتے دیتے زندگی گزار کر رخصت ہو جائیں بلکہ یہ سب آزمائشیں ہیں۔ ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کون حسن مجازی اور جمال فانی کے ناز و ادا پر فریفتہ ہو کر رہ جاتا ہے اور کون وہ بلند نظر اور عالی ظرف ہے جو ان تمام دلکشیوں سے دامن دل بچاتا ہوا حریم محبوب کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ظاہری حسن و زیبائی کی پرستش میں وقت برباد نہ کرے بلکہ اپنے خالق حقیقی کی معرفت اور قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں وقف کر دے۔

[۱۰] یعنی زمین پر جتنی چیزیں بڑی حسین و جمیل اور پرکشش نظر آتی ہیں یہ سب فانی ہیں۔ ایک دن ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا۔ اور ساری زمین چٹیل اور بنجر ہو جائے گی۔ اس لیے فانی چیزوں کے لیے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا قطعاً عقلمندی نہیں۔

[۱۱] حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ کے باعث یہودی علماء و امراء ان کے خون کے پیاسے ہو گئے اور انھیں ہر طرح کی اذیتیں دینے لگے۔ یہاں تک کہ آپ پر دین کی تحریف کا سنگین الزام لگا کر علاقہ کے رومی گورنر پیلاطس کے پاس دعوےٰ دائر کیا اور اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے انھیں تختۂ دار پر نہ چڑھایا تو وہ بغاوت کر دیں گے۔ چند حواریوں کے علاوہ ملک کی پوری آبادی یہود کی ہمنوا تھی اور وہ اس لمحہ کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہی تھی جب آپ کو صلیب پر لٹکا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی خود حفاظت فرمائی اور آسمان کی طرف اٹھا کر ان نابکاروں کے ہتھکنڈوں سے آپ کو بچا لیا۔

ان حالات میں دین مسیحی کے پھیلنے کا کوئی امکان نہ تھا لیکن اپنے ان چند حواریوں کے دل میں حق کا جو چراغ حضرت مسیح روشن کر گئے تھے وہ مصائب کی ان تند آندھیوں میں بھی نہ بجھ سکا۔ ان کی پر جوش تبلیغ سے لوگ آہستہ آہستہ عیسائیت قبول کرنے لگے اور علاقہ بھر میں ان کے حلقے قائم ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کی توحید، حضرت عیسیٰ کی رسالت اور قیامت پر یقین رکھتے تھے اگرچہ ملک کی اکثریت اپنے رومی حکمرانوں کی طرح بت پرست تھی۔

لیکن ۲۴۸ء کے اواخر میں جب دقیانوس (جسے رومی زبان میں ڈیسیس (DECIUS) کہتے ہیں) روما کے تخت پر متمکن ہوا تو ہوا کا رخ پھر بدل گیا۔ اس نے ایک قانون کے ذریعہ مسیحی دین پر پھر پابندی لگا دی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کے خیال کے مطابق یہ پہلا رومی فرمانروا تھا جس نے مسیحیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کا جامع منصوبہ بنایا اور اپنی ساری قلمرو میں عیسائیوں کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۷ صفحہ ۱۲۰)۔

ایشیائے کوچک اس وقت رومن امپائر کے زیرنگین تھا وہاں کے مختلف شہروں میں بھی عیسائی آبادیاں تھیں دقیانوس کی اس دارو گیر کی زد ان پر بھی پڑی۔ انھیں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اگر زندگی کی ضرورت ہے تو عیسائیت چھوڑ دو اور جن بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی ہم پوجا کرتے ہیں۔ ان کی پوجا کرو۔ دقیانوس جب ملکی دورہ پر روانہ ہوتا تو وہ اس مقصد کو تمام دوسرے امور مملکت پر ترجیح دیتا۔ ایک دفعہ اس کا گزر ایشیائے کوچک کی بستی افسس (EPHESUS) پر ہوا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں آرٹمیس یا ڈائنا دیوی کا مندر تھا جس کی بڑی دھوم دھام سے پوجا ہوتی تھی اور اس مندر کی وجہ سے اس شہر کو ملک بھر میں خاص اہمیت حاصل تھی۔ یہاں جب دقیانوس نے عیسائیوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی تو چند نوجوان اپنی دولت ایمان بچانے کے لیے یہاں سے چل نکلے۔ قریب ہی ایک پہاڑ تھا جس میں ایک وسیع غار تھا اس میں جا چھپے اور بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑا کر التجائیں کرنے لگے کہ وہ انھیں اس ظالم اور سنگدل بادشاہ کے شر سے بچائے اور ان کو نعمت ایمان سے محروم نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ کسی آزمائش میں ان کا قدم لڑکھڑا جائے اور دامن حق ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد سنی اور ان پر نیند مسلط کر دی گئی۔ اس غار کا منہ شمال کی جانب تھا۔ اس لیے اس میں دھوپ تو داخل نہ ہوتی لیکن ہوا اور روشنی کا گزر اچھی طرح سے تھا اس لیے یہاں ان کے جسم اس طویل نیند کے باوجود محفوظ تھے۔ قدرت مناسب وقفہ کے بعد ان کے پہلو بھی بدل دیتی جیسے نیند کی حالت میں ہم سوتے سوتے پہلو بدل لیا کرتے ہیں۔ اسی طرح کا احساس ان میں بھی یقیناً ہوگا۔ دور سے دیکھنے والے انھیں بیدار خیال کرتے حالانکہ وہ محوِ خواب تھے۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہو لیا تھا۔ انھوں نے اسے بھگانے کے لیے بڑے جتن کیے لیکن اس نے ساتھ نہ چھوڑا۔ جب وہ غار میں جا کر آسودۂ خواب ہو گئے تو وہ بھی پاسبانی کی خاطر غار کے دہانے پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ رہا۔

اس طرح ایک سو ستاسی برس کا عرصہ گزر گیا۔ دقیانوس کیفر کردار کو پہنچا۔ مختلف بادشاہ آئے اور اپنی چند روزہ شاہی کا ڈنکا بجا کر چل دیئے۔ پرانے شہر اجڑے نئی بستیاں آباد ہوئیں۔ افسس کے شہر میں بھی اس دو سو سال کے زمانہ میں کیا شکست و ریخت نہ ہوئی ہوگی۔ جب حکمتِ الٰہی نے چاہا تو ان سونے والوں کو بیدار کر دیا۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔ خیال انھیں بھی گزرا کہ وہ آج معمول سے کچھ زیادہ ہی سوئے ہیں۔ لیکن یہ بات ان کے سان و گمان میں بھی نہ تھی کہ ان کو یہاں بے سدھ پڑے دو صدیاں بیت گئی ہیں۔ اس لیے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہیں۔

ان کی آنکھیں کیا کھلیں کہ بشری تقاضے بھی بیدار ہو گئے۔ انھیں بھوک نے ستانا شروع کر دیا۔ انھوں نے اپنے ایک ساتھی کو جس کا نام یملیخا بتایا جاتا ہے بستی کی طرف بھیجا کہ ان کے لیے کھانا خرید لائے۔ جب وہ غار سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہوا تو وادی وکوہسار وہی تھے لیکن ماحول میں اجنبیت کے آثار قدم قدم پر حیران کر رہے تھے۔ شہر میں گئے تو در و دیوار، گلی کوچے زبانِ حال سے کچھ اور ہی داستان سنا رہے تھے۔ یملیخا سوچ رہے تھے کہ یا رب خدا! ایک آدھ پہر میں یہ کیا انقلاب آ گیا۔ کل جب چھوڑ کر گئے تو اس شہر کا کیا حال تھا اور آج کیا ہے۔ ایک نانبائی کی دکان پر گئے اور اسے کھانا دینے کے لیے کہا۔ اس نے کھانا دیا۔ انھوں نے وہی پرانا سکہ جو یہاں سے جاتے ہوئے وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے اس کی طرف

بڑھا دیا۔ دکاندار اس سکہ کو دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا۔ معاملہ نے طول پکڑا۔ اردگرد کے دکاندار بھی اکٹھے ہو گئے۔ یملیخاہ پر الزام لگایا گیا کہ اسے کوئی پرانا شاہی خزانہ ہاتھ آیا۔ معاملہ حاکم شہر تک پہنچا۔ یہاں آکر حقیقت حال سے پردہ اٹھا۔ انھیں پتہ چلا کہ یہ ان نوجوانوں میں سے ایک ہے جو ڈیسیس کے مظالم سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سب ان کی جھلک دیکھنے کے لیے غار تک گئے۔ وہاں دوسرے ساتھی یملیخاہ کا انتظار کرتے کرتے اکتا گئے اور ان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے تھے۔ جب انھوں نے ایک جم غفیر غار کی طرف آتے دیکھا تو انھیں یقین ہو گیا کہ ان کا ساتھی پکڑا گیا ہے اور اس کے بتلانے پر یہ ہجوم انھیں گرفتار کرنے کے لیے دوڑا چلا آرہا ہے۔ جب لوگ حاکم شہر کی قیادت میں وہاں پہنچے تب اصحاب کہف کو معلوم ہوا کہ انھیں یہاں سوئے صدیاں گزر چکی ہیں اور اب حالات کا رخ بدل گیا ہے اور عیسائیت کا ہر طرف چرچا ہے۔ صرف رعایا ہی نہیں بلکہ حکومت بھی اس دین کو قبول کر چکی ہے۔ مورخین کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ۴۳۶ء میں پیش آیا جبکہ روما کے تخت پر تھیوڈوسیس (DHEOSIUS) متمکن تھا۔

مفسرین کرام اور مورخین نے اصحاب کہف کی جگہ، زمانہ اور ان کے مخصوص حالات کے متعلق متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ بعض اسے حضرت عیسیٰ کے زمانہ سے پہلے کا زمانہ بتاتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ کہف خلیج عقبہ کے نواحی پہاڑوں میں واقع ہے۔ بعض نے شام کے کسی مقام کا تعین کیا ہے اور علامہ ابن حیان اندلسی صاحب البحر المحیط نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ سارا واقعہ اندلس کے علاقے میں ہوا۔ وہ لکھتے ہیں غرناطہ کے قریب ایک قصبہ ہے جسے "لوشہ" کہتے ہیں۔ اس میں ایک غار ہے جہاں کئی مُردوں کے ڈھانچے ہیں اور باہر ایک کتے کا ڈھانچہ بھی ہے۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ وہ ۵۰۴ھ سے انھیں اسی حالت میں دیکھ رہے ہیں۔ وہاں ایک مسجد بھی ہے اور ایک رومی طرز کی پرانی عمارت بھی ہے جسے "الرقیم" کہا جاتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے یہ کسی قدیم قصر کے کھنڈرات ہیں اور غرناطہ سے قبلہ کی جانب ایک پرانے شہر کے آثار بھی پائے جاتے ہیں جس کا نام مدینہ دقیوس بتایا جاتا ہے۔ ابن عطیہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد علامہ ابن حیان لکھتے ہیں کہ جب ہم اندلس گئے تھے تو لوگ اس غار کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ (البحر المحیط)

کئی دیگر مقامات میں غاروں میں اس قسم کے ڈھانچے دکھائی دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اہل حق پر جب بھی جبر و تشدد کا بازار گرم ہوا ہو تو ان میں سے چند لوگوں نے قریبی پہاڑوں کی غاروں میں پناہ لی ہو اور ان کے ڈھانچے اسی طرح محفوظ ہوں اور سپین کے جس غار کا ذکر علامہ ابن حیان نے کیا ہے وہ بھی اسی طرح کا ایک غار ہو۔

لیکن میں نے جو تفصیل لکھی ہے مجھے وہی حقیقت سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہمارے مفسرین نے اسے یوں ہی بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ ایک مشہور انگریز مورخ ایڈورڈ گبن (EDWARD GIBBON) نے بھی اپنی معروف تاریخ کی کتاب (THE DECLINE AND FALL OF ROMAN EMPIRE) کی تیسری جلد صفحہ ۳۴۰ تا ۳۴۳ میں "سات سونے والوں" کے احوال لکھے ہیں جو بالکل اس واقعہ سے مطابقت رکھتے ہیں حتیٰ کہ عربی مصادر میں جو نام ہیں تقریباً وہی نام اس نے بھی درج کیے ہیں۔ مؤرخ مذکور نے اس کے حاشیہ میں اس

واقعہ کا ماخذ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے یہ واقعہ شام کے مشہور بشپ جیمس سرُوج (JAMES OF SARUJ) کے مجموعہ مواعظ جو ۲۳۰ مواعظ پر مشتمل ہے، کے ایک وعظ سے لیا ہے۔ یہ بشپ ۴۵۲ء میں پیدا ہوا اور ۴۷۴ء میں اس نے یہ مواعظ لکھے۔ ۵۱۹ء میں بشپ مقرر کیا گیا اور ۵۲۱ء میں اس نے وفات پائی۔ اور چھٹی صدی کے اختتام سے پہلے شامی زبان سے اس کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہو گیا تھا۔ تاریخی لحاظ سے یہ کتاب اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے اقرب ترین زمانہ کی تحریر ہے۔ اس لیے اس میں حقیقت کی زیادہ سے زیادہ جھلک دکھائی دے سکتی ہے۔ یہ مواعظ کیونکہ تقریباً پچاس برس بعد لکھے گئے اس لیے ان کی ساری تفصیلات کو جوں کا توں تسلیم کر لینا قطعاً قرینِ دانش نہیں البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مجموعہ کے بیان کردہ حالات دوسری روایات سے کہیں زیادہ صحیح صورتِ حال کے ترجمان ہو سکتے ہیں۔

قرآن کریم نے اصحاب کہف کے واقعہ کا وہ پہلو ذکر کیا جو ہمارے لیے ہدایت کا درس رکھتا ہے باقی اس کے زمان و مکان وغیرہ تفصیلات کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا۔ ہر واقعہ کے بیان میں قرآن کریم کا اسلوب یہی ہے اور یہی ایک ایسی خصوصیت ہے جو قرآن حکیم کو تاریخ کی کتب سے ممتاز کرتی ہے۔ قرآن میں جو واقعات بیان ہوتے ہیں ان سے مقصود داستان سرائی نہیں۔ بلکہ عبرت آموزی اور بصیرت افروزی ہے۔ صحیح احادیث میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات مذکور نہیں۔ لغالباً ہمارے مورخین نے علماء اہل کتاب سے جو کچھ سنا وہ لکھ دیا کیونکہ گزشتہ واقعات کے متعلق انھیں علماء کے بیانات مستند تصور کیے جا سکتے تھے اور اہل کتاب کے ان علماء کے پاس اس واقعہ کے متعلق پہلی تحریری دستاویز بشپ جیمس کے یہی مواعظ ہیں اس لیے یہ خیال کرنے میں کوئی قباحت نہیں کہ واقعہ کی یہ تفصیلات حقیقت کے زیادہ قریب ہیں۔

یہاں ایک چیز ضرور قابلِ غور ہے۔ گبن نے بڑی گستاخی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور کریم نے یہ واقعہ اپنے شام کے تجارتی سفروں کے اثناء میں علماء اہل کتاب سے سنا اور اسے وحی الٰہی کہہ کر قرآن میں درج کر دیا کیونکہ قرآن کریم کی بیان کردہ تفصیلات جیمس کے مواعظ میں لکھی ہوئی تفصیلات سے کلی مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس لیے اس گستاخ اور منہ پھٹ مورخ نے سپہرِ علم و حکمت کے نیرِ اعظم پر بے علمی اور جہالت کا الزام لگایا۔ اس طرح اس نے نہ صرف حقیقت کا منہ چڑایا ہے بلکہ مورخ کے بلند مقام کو بھی تعصب کی غلاظت سے آلودہ کر دیا ہے۔ جب وہ خود مانتا ہے کہ یہ مجموعہ ۴۷۴ء میں لکھا گیا۔ اور اسی کے قول کے مطابق یہ واقعہ ۴۳۷ء میں پیش آیا۔ ذرا انصاف فرمائیے ان پچاس سالوں میں اس میں کیا کچھ ردّ و بدل نہ ہو گیا ہو گا۔ کتنی ایسی چیزیں نظر انداز کر دی گئی ہوں گی جو انسان کے جذبۂ عجوبہ پرستی کی تسکین کا باعث نہیں بنتیں اور کتنی باتیں بڑھا دی گئی ہوں گی۔ تاکہ اس واقعہ کو نمک مرچ لگا کر پیش کیا جا سکے۔ اس لیے جیمس کی تفصیلات کا سو فی صدی صحیح ہونا قطعاً یقینی نہیں۔ جب اس کی صحت قطعی نہیں تو قرآن کی صداقت کا انحصار ان مواعظ سے مطابقت پر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی قرآن کو کسی گبن کے قول کی سند کی ضرورت ہے۔

اس واقعہ کا ایک مجمل خاکہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ اب آیاتِ قرآنی کی روشنی میں اس واقعہ کو پڑھیے:۔

۱۲ کہف: الغار الواسع، وسیع غار۔ الرقیم۔ کے متعلق متعدد اقوال مذکور ہیں۔ کعب نے کہا کہ یہ اس شہر کا نام ہے جہاں سے یہ لوگ گئے تھے۔ ابن عباس نے فرمایا۔ یہ اس وادی کا نام ہے جس میں غار تھا لیکن عام علماء تفسیر کا میلان

آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١٠﴾ فَضَرَبْنَا عَلَىٰٓ

ہمیں مرحمت فرما اپنی جناب سے رحمت اور مہیا فرما ہمارے لیے اس کام میں ہدایت ۱۳؎ پس ہم نے بند کر دیئے ان کے

آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿١١﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ

کان (سننے سے) اس غار میں کئی سال تک جو گنے ہوئے تھے ۱۴؎ پھر ہم نے انھیں بیدار کر دیا تاکہ ہم دیکھیں کہ ان دو

الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ﴿١٢﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم ع ۱

گروہوں میں سے کون صحیح شمار کر سکتا ہے اس مدت کا جو وہ (غار میں) ٹھہرے تھے ۱۵؎ اے حبیب! ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر

اس تختی کو رقیم یعنی مرقوم (لکھا ہوا) کہتے ہیں یعنی تانبے کی وہ تختی جس پر اصحاب کہف کے نام اور ان کے احوال لکھ کر بطور یادگار ایک صندوق میں محفوظ کر دیئے گئے تھے تاکہ بعد میں آنے والی نسلوں کو ان کے حالات کا صحیح علم ہو سکے اور جب بیلتخانوس حاکم شہر کو بتایا گیا کہ یہ ان میں سے ایک ہیں جو ظالم بادشاہ کے جبر و تشدد سے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے غار میں پناہ گزین ہو گئے تھے تو اس تختی نے اس بیان کی تصدیق کر دی۔ ام حسبت میں استفہام انکاری ہے کہ تم اصحاب کہف کے واقعہ کو عجائبات قدرت میں سے عجیب ترین امر سمجھتے ہو؟ نہیں بلکہ اس کی قدرت کی اعجاز آفرینی دیکھنی ہو تو اس نیلگوں آسمان کو دیکھو اور اس کشادہ زمین کو دیکھو تمھیں ہر جگہ اس کی قدرت و حکمت کے روشن جلوے نظر آئیں گے۔

۱۳؎ فتیۃ جمع ہے اس کا واحد فتی ہے۔ جب نوجوانوں کا یہ گروہ غار میں جا چھپا تو انھوں نے بارگاہ الٰہی میں دست دعا پھیلاتے ہوئے عرض کی۔ الٰہی! ہمیں اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے۔ ہمارا ایمان بھی محفوظ رہے اور ہمارے گناہ بھی بخش دے۔ ہمیں رزق بھی بہم پہنچا اور ہمیں دشمن کے پنجۂ استبداد سے بھی محفوظ رکھ۔ رَشَد کا معنی صاحب قاموس نے یہ کیا ہے استقامة على طريق الحق مع تصلب فيه (قاموس) یعنی جس مقصد کے لیے ہم اپنے عزیز و اقربا اور اپنے وطن کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں اس میں ہمیں استقامت اور ثبات نصیب فرما۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان کی وسوسہ اندازی سے انجام کار ہم اس نعمت سے محروم کر دیئے جائیں۔

۱۴؎ اس کا مفہوم ہے ہم نے ان پر حالتِ خواب طاری کر دی۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ یہ قرآن کے ان فصیح جملوں سے ہے جن کی نظیر لانے سے فصحاء عرب قاصر رہے۔ یعنی ہم نے ان کے کانوں کو بند کر دیا تاکہ کوئی آواز ان کی نیند میں خلل نہ پیدا کر سکے۔

۱۵؎ اس جملہ کی ترکیب ذہن نشین نہ ہو تو اس کا مفہوم سمجھنے میں دقت ہوتی ہے۔ اس لیے ترکیب درج ذیل ہے:۔

ایّ الحزبین مبتدا احصٰی فعل ماضی امدًا اس کا مفعول لما لبثوا اس کا حال ہے معنی ہوگا ایھم ضبط امدًا کائنا لزمان لبثھم (مظہری)

بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿١٣﴾ وَّرَبَطْنَا

ٹھیک ٹھیک ١٦ بیشک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے ١٧ اور ہم نے ان کے نورِ ہدایت میں اضافہ کر دیا ١٨ اور ہم نے

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

مضبوط کر دیا ان کے دلوں کو جب وہ (راہِ حق میں) کھڑے ہو گئے ١٩ تو انھوں نے (برملا) کہہ دیا ہمارا پروردگار وہ ہے جو پروردگار ہے

لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿١٤﴾ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا

آسمانوں اور زمین کا ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اس کے سوا کسی معبود کو (اگر ہم ایسا کریں) تو گویا ہم نے ایسی بات کہی جو حق سے دور ہے ٢٠ یہ ہماری قوم ہے

اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ۭ

جنھوں نے بنا لیا ہے اس کے سوا غیروں کو (اپنے) خدا کیوں نہیں پیش کرتے ان (کی خدائی) پر کوئی ایسی دلیل جو روشن ہو

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴿١٥﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ

ورنہ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے۔ اور جب تم الگ ہو گئے ہو ان (کفار) سے

١٦ اب ذرا وضاحت سے ان کا حال بیان ہوتا ہے۔

١٧ یعنی وہ ایمان لائے اور جب انھوں نے ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا اور حکم خداوندی بجا لانے میں کسی کوتاہی کا ثبوت نہ دیا تو ہم نے ان کے دلوں کو نورِ ہدایت سے منور کر دیا اور ان کے سینہ کو ہدایت کا گنجینہ بنا دیا۔ اسی مفہوم کو ایک دوسری آیت میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلَنَا۔

١٨ جب وہ آمادہ ہو گئے اور انھوں نے عزم بالجزم کر لیا تو ہم نے ان کے دلوں کو جذبۂ استقامت سے معمور کر دیا اور وہ بے خطر آزمائش کے اس خارزار میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

١٩ جب انھیں دقیانوس کے روبرو پیش کیا گیا اور اس نے ان سے ان کے عقیدہ کے متعلق دریافت کیا تو ایمان و عشق کسی مصلحت بینی کا روادار نہ ہوا بلکہ خون آشام تلواروں کی جھنکار میں بیدھڑک یہ اعلان کر دیا کہ ہمارا رب جس کی جناب میں ہم سجدہ ریز ہوتے ہیں جس کی شرابِ محبت سے ہماری روحیں سرشار ہیں جس کی حمد کی لذت سے ہماری زبانیں آشنا ہیں وہ ان کمالات کا مالک ہے۔ کیا وہ تمہارے آذرمیس یا تمہاری ڈائنا دیوی میں پائے جاتے ہیں۔

٢٠ یعنی جو اس کے علاوہ کسی غیر کی بندگی کرتے ہیں وہ یاوہ گو ہیں مطلب یہ تھا کہ تم سب یاوہ گو ہو۔

وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ

اور ان معبودوں سے جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا۔ تو اب پناہ لو غار میں پھیلا دے گا تمھارے لیے تمہارا رب اپنی

رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿١٦﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا

رحمت (کا دامن) اور مہیا کر دے گا تمھارے لیے تمھارے اس کام میں آسانیاں [21] اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ

طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ

ابھرتا ہے تو وہ ہٹ کر گزرتا ہے ان کی غار سے دائیں جانب [22] اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف

ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ مَنْ

کترا تا ہوا ڈوبتا ہے اور وہ (سوئے ہوئے) ہیں ایک کشادہ جگہ غار میں۔ (سورج کا) یوں (طلوع وغروب) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں

يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا

میں سے ہے (حقیقت یہ ہے) کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کردے تو تو نہیں پائیگا اس کے لیے کوئی

مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ڰ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ ع ۵ ۱۴

مددگار (اور) رہنما۔ اور (اگر تو دیکھے تو) تو انھیں بیدار خیال کریگا حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں [23] اور ہم انکی کروٹ بدلتے رہتے ہیں (کبھی)

الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ڰ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ

دائیں جانب اور (کبھی) بائیں جانب اور ان کا کتا پھیلائے بیٹھا ہے اپنے دونوں بازو ان کی دہلیز پر [24]

[21] اس کا معنی ہے مایرتفق ای ینتفع بہ جس سے نفع اور فائدہ حاصل کیا جائے۔

[22] اس کی صورت یہ تھی کہ غار کا دہانہ شمال کی جانب تھا۔ سورج طلوع ہوتا تو بھی، غروب ہوتا تو بھی۔ اس کی دھوپ اس کے دہانہ میں داخل ہوتی۔

[23] ایقاظ کا واحد یقظ ہے۔ رقود کا واحد راقِدٌ۔

[24] وصید غار کا صحن یا دروازہ کی چوکھٹ وصید فناالبیت اوعتبة الباب۔

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾

اگر تو جھانک کر انھیں دیکھے تو ان سے منہ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو ۲۵؎ اور تو بھر جائے ان کے منظر کو دیکھ کر ہیبت سے۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ

اور اسی طرح ہم نے انھیں بیدار کر دیا ۲۶؎ تاکہ وہ ایک دوسرے سے آپس میں پوچھیں ۲۷؎ کہنے لگا ایک کہنے والا ان میں سے کتنی

لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا

مدت ٹھیرے ہو ۲۸؎ بعض نے کہا ہم ٹھیرے ہونگے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ دوسروں نے کہا تمھارا رب بہتر جانتا ہے

لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ

جتنی مدت تم ٹھیرے ہو ۲۹؎ پس بھیجو کسی کو اپنے ساتھیوں سے اپنے ایک سکہ کے ساتھ شہر کی طرف ۳۰؎ پس وہ دیکھے کہ

اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ

کس کے ہاں عمدہ پاکیزہ کھانا ملتا ہے پس وہ لے آئے تمھارے پاس کھانا وہاں سے۔ اسے چاہیے کہ خوش خلقی سے کام لے اور کسی کو

۲۵؎ ان کے رعب اور ہیبت کی وجہ کیا تھی۔ اس کی کئی وجہیں بیان کی گئی ہیں لیکن صحیح وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سارے ماحول کو اتنا ڈراؤنا اور بھیانک بنا دیا تھا کہ وہاں پہنچتے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور دل ڈوبنے لگتا اور کسی شخص کو اندر جانے کا حوصلہ نہ ہوتا۔ قیل ان اللہ تعالیٰ منعھم بالرعب لئلا یدخل علیھم احد وھو الصحیح المختار۔ (قرطبی)

۲۶؎ جیسے ہم نے اپنی قدرت سے اتنے طویل عرصہ تک محو خواب رکھا اسی طرح ہم نے اپنی قدرت سے انھیں بیدار کر دیا۔

۲۷؎ انھیں محسوس ہوا کہ خلافِ معمول آج وہ زیادہ وقت ہی سوتے رہے ہیں اس لیے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔

۲۸؎ سونے کی مدت کے متعلق کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ آخر طے یہ ہوا کہ اس فضول بحث میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں اس کو خدا کے سپرد کر دو، وہی صحیح طور پر اس وقت کو جانتا ہے۔

۲۹؎ جتنا عرصہ سوئے رہے بشری تقاضے بھی سلب رہے اور جب جاگے تو خالی پیٹ نے کھانا طلب کرنا شروع کر دیا۔

۳۰؎ بادشاہ سے بھاگ کر آئے تھے پکڑے جانے کا ہر وقت کھٹکا لگا ہوا تھا۔ جو شخص کھانا لانے کے لیے جانے لگا اسے خصوصیت سے اس امر کی تاکید کر دی گئی کہ کوئی زیادتی بھی کرے تو درگزر کرنا ایسا نہ ہو کہ درشت کلامی کرو اور پکڑے جاؤ اور لینے کے دینے پڑ جائیں اور یہ بھی اسے تنبیہ کی گئی کہ خیال رہے کہ کوئی تمھیں پہچاننے نہ پائے۔ پیچھے سے ایسے راستے سے جاؤ جہاں زیادہ

بِكُمْ اَحَدًا ۝۱۹ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ

تمھاری خبر ہونے دے۔ وہ لوگ اگر آگاہ ہو گئے۔ تم پر تو وہ تمھیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دینگے یا تمھیں (جبراً)

فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۲۰ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ

لوٹا دینگے اپنے (جھوٹے) مذہب میں اور اگر تم نے ایسا کیا تو تم کبھی بھی فلاح نہیں پا سکو گے ۳۲ اور بستی والوں کو ہم نے اچانک

لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ

آگاہ کر دیا ان (اصحاب کہف) پر تاکہ وہ جان لیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بلاشبہ قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ۳۳ جب

يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ

(بستی والے) جھگڑ رہے تھے آپس میں ان کے معاملہ میں تو بعض نے کہا کہ (بطور یادگار) تعمیر کر دو ان کے غار پر کوئی عمارت ۳۴ ان کا رب

کہا کسی نہ ہو سامان خوراک لو اور واپس لوٹ آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ بازار کے ہنگاموں میں کھو جاؤ اور پہچان لیے جاؤ۔

۳۱ اور اگر تم پکڑے گئے تو وہ ہم سب کو گرفتار کر لیں گے۔ نہ انھیں ہماری اٹھتی جوانیوں پر رحم آئیگا اور نہ وہ ہماری پاکدامنی پر ترس کھائیں گے کسی چوراہے میں کھڑا کر کے وہ ہمیں سنگسار کر دینگے۔ ہمارے بچنے کی ایک ہی صورت ہوگی کہ ہم انکی بت پرستی کو قبول کر لیں۔

۳۲ اور اگر ایمان دے کر ہم نے جان بچالی تو یہ ایسا خسارے کا سودا ہوگا جس کی تلافی ممکن نہ ہوگی۔

۳۳ اگرچہ عیسائی مذہب کافی پھیل چکا تھا لیکن ابھی ایسے لوگ موجود تھے جو اپنے آبائی مشرکانہ عقاید پر ڈٹے ہوئے تھے اور قیامت پر ان کا عقیدہ نہ تھا نیز وقت گزرنے کے ساتھ عیسائیوں میں بھی عقاید کی خرابیاں رونما ہو چکی تھیں۔ ان میں بھی ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو یا تو سرے سے قیامت کا منکر تھا یا روحانی حشر کا قائل تھا جسمانی حشر کا مذاق اڑاتا تھا۔ بادشاہ وقت کو اس امر سے بڑی تشویش تھی۔ وہ اپنے دین کے اس بنیادی عقیدہ کی یہ تضحیک گوارا نہ کر سکتا تھا لیکن اس کے پاس کوئی ایسی قوی دلیل بھی نہ تھی جس سے وہ منکرین قیامت کو دندان شکن جواب دے سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں سینکڑوں سال سونے والے اصحاب کہف کو صحیح وسلامت جسموں کے ساتھ بیدار کر کے اپنی قدرت کاملہ کا ایک ناقابل تردید ثبوت مہیا کر دیا۔ اور سب کو یقین کرنا پڑا کہ جو خدا دو سو سال تک غار میں سونے والوں کو یوں صحیح وسالم اٹھا سکتا ہے اسکے سامنے کیا بعید ہے کہ تمام مُردوں کو قیامت کے دن زندہ کر کے کھڑا کر دے۔

۳۴ اصحاب کہف نے بیدار ہونے کے کچھ عرصہ بعد طبعی وفات پائی۔ اب باہمی اختلاف ہوا بعض کی رائے یہ تھی کہ

أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ

انکے حال سے خوب واقف ہے۔ کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے اپنے کام پر کہ بخدا ہم تو ضرور ان پر ایک مسجد

مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾ سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ

بنائیں گے۔ کچھ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا ۵۳ کچھ کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا

كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۖ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي

کتا تھا یہ سب تخمینے ہیں بن دیکھے۔ اور کچھ کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا ۵۴ آپ فرمائیے

غار کے دروازے پر دیوار چن دی جائے تاکہ اندر کوئی نہ جاسکے بعض کی رائے یہ تھی کہ انکے پڑوس میں ایک مسجد تعمیر کر دی جائے تاکہ آنے والے اس میں عبادت کرسکیں اور اس طرح اصحاب کہف کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ ان بعضھم قال الاولی ان یسد باب الکھف لئلا یدخل علیھم وقال آخرون بل الاولی ان یبنی علی باب الکھف مسجد وھذا القول یدل علی ان اولئک الاقوام کانوا عارفین باللہ معترفین بالعبادۃ والصلوٰۃ۔ (رازی)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی یہاں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات کے قریب ان سے تبرک حاصل کرنے کے لیے مسجد بنانا جائز ہے۔ ھذہ الایۃ تدل علی جواز بناء المسجد لیصلی فیہ عند مقابر اولیاء اللہ قصداً للتبرک۔ (مظہری)

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ جن احادیث میں مسجد بنانے کی ممانعت مذکور ہے وہاں مراد یہ ہے کہ قبروں کی طرف سجدہ نہ کیا جائے ومعنی اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد انھم یسجدون الی القبور کما ھو صریح فی حدیث ابی المرثد الغنوی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیھا رواہ مسلم۔

یعنی ابو مرثد غنوی سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو (مظہری)

۵۳ اصحاب کہف کی تعداد میں بھی عیسائی مختلف الرائے تھے۔ یعقوبیہ فرقہ کہتا وہ تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا ہے۔ نسطوریہ کہتے چار ہیں پانچواں ان کا کتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ محض ان کی قیاس آرائیاں ہیں اور وہ ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں رجما بالغیب منصوب علی المصدریۃ یعنی یرجمون رجماً ای یرمون رمیاً بالخبر الغائب عنھم (مظہری)

۵۴ بعض کا خیال ہے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا اکثر علماء کی رائے میں یہ تعداد صحیح ہے۔ کیونکہ جس طرح پہلے دو قولوں کے متعلق قرآن نے رجماً بالغیب کا لفظ ذکر کیا ہے اس کے لیے نہیں کیا۔

أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءً

(اس بحث کو چھوڑو) میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو اور نہیں جانتے ان (کی صحیح تعداد) کو مگر چند آدمی ۳۷ سو بحث نہ کرو ان کے بارے

ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَاْىءٍ إِنِّي

میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے ۳۸ اور نہ دریافت کرو ان کے متعلق (اہل کتاب) میں سے کسی سے اور نہ کہیے ہرگز نہ کہنا کسی چیز کے

فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ إِلَّا أَن يَشَآءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ

متعلق کہ میں اسے کرنے والا ہوں کل مگر یہ کہ ساتھ یہ بھی کہو) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے ۳۹ اور یاد کرو اپنے رب کو جب بھول جائے ۴۰

۳۷ یہ فرما کر سارا جھگڑا ہی ختم کر دیا کہ یہ کونسی اہم بات ہے جس کے تصفیہ کے لیے تم آپس میں دست بگریباں ہو۔ اسے خدا کے سپرد کرو۔ وہ ان کی تعداد خوب جانتا ہے۔ اور وہ لوگ معدودے چند ہیں جن کو ان کی صحیح تعداد کا علم ہے۔ حضرت ابن عباس سے اصحاب کہف کے مندرجہ ذیل نام منقول ہیں:۔

مکسلمینا، یملیخا، مرطونس، سنونس، ساربنونس، ذونواس، کعسطیونس۔ (مظہری)

۳۸ یعنی نصاریٰ سے اس بارے میں الجھنے کی ضرورت نہیں نہ اس بحث میں اتنا توغل کرنا چاہیے۔ ہاں سرسری گفتگو کے طور پر بات چیت ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ان آیات بینات کے بعد ان کے متعلق دریافت کرنے کی تمہیں کیا ضرورت ہے۔

۳۹ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و تادیب کا ذمہ خود اٹھایا تاکہ اس کے محبوب پر کسی کا احسان نہ ہو بلکہ جو ہو وہ اسی حبیب کے خوان احسان و انعام کا ریزہ چین ہو۔ وہ خود ہی اس کا معلم، خود ہی مربی اور خود ہی اس کا مؤدب ہے۔ اس امر کے متعلق سورۃ والضحیٰ میں فرمایا الم یجدک یتیما فاوی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم پایا تو اپنے آغوش کرم میں آپ کو پناہ دی۔ اب آپ خود غور فرمائیے جس کی تعلیم و تربیت علیم و حکیم خداوند کریم نے فرمائی ہو گی اس کے علم و دانش کا اور اس کے مکارم اخلاق کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ انہی اسباق میں سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے تلمیذ ارشد کو پڑھائے ایک یہ سبق ہے جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی اے حبیب اگر آپ یہ ارادہ کریں کہ کل آپ فلاں کام کریں گے تو یوں مت کہو کہ کل میں ایسا کروں گا بلکہ اس طرح کہو کہ اگر میرے خداوند کریم کو منظور ہوا تو کل میں ایسا کروں گا اس طرح ایک تو اظہار حقیقت ہے کیونکہ کسی کے پاس وسائل کی کتنی فراوانی ہو اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو اس کی ساری مساعی بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ہر چیز کے وقوع پذیر ہونے کا انحصار مشیت الٰہی پر ہے۔ دوسرا مومن کی شان ہی یہ ہے کہ ہر کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے تاکہ اس کی نظر کرم سے راہ کی ساری صعوبتیں خود بخود دور ہوتی چلی جائیں۔ علامہ ابن جریر

عَسٰۤى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ

(رہی) کہو کہ مجھے امید ہے کہ دکھائے گا مجھے میرا رب اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ۔ اور (اہل کتاب کہتے ہیں کہ) وہ

ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ

ٹھیرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ کیے انھوں نے (اس پر) نو سال۔ آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جتنی مدت وہ ٹھیرے

لکھتے ہیں وھذا تادیب من اللہ عز ذکرہ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم عھد الیہ ان لا یجزم علی ما یحدث من الامور انہ کائن لا محالۃ الا ان یصلہ بمشیئۃ اللہ تعالیٰ۔ یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو یہ ادب سکھایا کہ کسی کام کے واقع ہونے کے متعلق یقین نہ کریں جب تک اسے اللہ تعالیٰ کی مرضی سے وابستہ نہ کر لیں۔

اگر یادِ الٰہی سے کبھی غفلت ہو جائے تو غفلت کے سلسلہ کو دراز نہ ہونے دو بلکہ جلد از جلد اس کو ختم کرو جب بھی غفلت کا احساس ہو تو وقت ضائع کیے بغیر ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو جاؤ۔ اسی سے علمائے کرام نے نماز کی قضا پر استدلال کیا ہے۔

عارف باللہ علامہ پانی پتی نے خوب لکھا ہے کہ صوفیائے کرام کے نزدیک اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا سب پیاری پیاری یادوں کو دل سے محو کر چکو تو یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاؤ کیونکہ اس یادِ الٰہی میں کیا لطف جب اس کے ساتھ ساتھ دوسری یادیں بھی تمہارے نہاں خانۂ دل میں سر چھپائے بیٹھی ہوں وقالت الصوفیۃ العالیۃ ان معنی الآیۃ واذکر ربک اذا نسیت ما عداہ قالوا ذکر اللہ سبحانہ انما لا یتصور مالم یحصل لقلبہ نسیان ما سواہ۔ اس کے بعد لکھتے ہیں وھذا التاویل انسب بمنطوق الکتاب وفق العربیۃ وابعد من التجوز (مظہری)

یعنی استثنار (ان شاء اللہ) نہ کہنے کی وجہ سے جو احساسِ ندامت ہو اور اس سے استغفار کی جائے تو وہ مآل و ثواب کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔ اس جملہ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب کفار نے عناد و آزمائش کے لیے حضور سے اصحاب کہف کا حال دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو ان کے حالات پر آگاہی بخشی اور ساتھ ہی فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو جو اصحاب کہف کے حالات بتانے کو آپ کی نبوت اور صداقت کی دلیل قرار دے رہے ہیں کہہ دیں کہ میری صداقت کی ایسی ایسی روشن دلیلیں اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا ہے کہ ان کے سامنے اس واقعہ کا علم کوئی حیثیت نہیں رکھتا یہ لکھنے کے بعد علامہ مذکور لکھتے ہیں وقد فعل حیث آتاہ علم غیب المرسلین وعلم ما کان وما یکون ما ھو اوضح فی الحجۃ واقرب الی الرشد من خبر اصحاب الکہف (مظہری)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا کہ اپنے محبوب کو مرسلین کے غیب کا علم اور علم ما کان وما یکون عطا فرمایا جو حضور کی نبوت و رسالت کی واضح اور پختہ دلیل ہے۔

امام ابن جریر نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضرت قتادہ کا مذہب یہ ہے کہ تین سو نو سال کی یہ مدت یہودیوں کا

غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

اسی کے لیے (علم) غیب ہے آسمانوں اور زمین کا وہ خوب دیکھنے والا ہے اور سب باتیں سننے والا ہے۲۳ نہیں ان کا اس کے سوا

مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ٢٦ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ

کوئی دوست اور وہ نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو۲۴ اور پڑھ کر سنائیے (انھیں) جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی

كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ڷ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ٢٧

طرف آپ کے رب کی کتاب سے۔ کوئی بدلنے والا نہیں اس کے ارشادات کا۔ اور نہیں پائیں گے آپ اس کے سوا کوئی پناہ گاہ۲۵

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

اور روکے رکھیے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام

قول ہے۔ یہ قرآن کی بیان کردہ مدت نہیں۔ ورنہ بعد میں یہ نہ فرمایا جاتا قل اللہ اعلم بما لبثوا کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جتنی مدت وہ ٹھہرے اور قتادہ کے اس قول کی تائید حضرت ابن مسعود کی قرأت سے ہوتی ہے۔ وقالوا ولبثوا فی الکھف۔

اب جب حقیقت یہ ہے کہ تین سو نو سال کی مدت قرآن کی بیان کردہ مدت نہیں بلکہ اہل کتاب کی رائے ذکر کی گئی اور پھر اس کے بعد اس کی تردید کر دی گئی تو اب گبن (GIBBON) نے قرآن اور صاحب قرآن پر اس وجہ سے جو اعتراض کیا ہے کہ یہ مدت غلط ہے صحیح مدت ۱۸۷ سال ہے۔ خود ہی باطل ہو گیا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ قرآن کی بیان کردہ مدت ہے تو ہم گبن سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ تمھارے پاس کون سی ایسی قطعی دلیل ہے جس کی بنا پر تم ۱۸۷ سال کا تعین کر رہے ہو۔ تمھارے پاس بھی لے دے کر سنی سنائی باتیں ہیں۔ کیا ان میں اتنی جان ہے کہ انھیں قرآن کے حتمی بیانات کا مدِ مقابل تصور کیا جا سکے۔

۲۳ فعل تعجب کے صیغے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ خوب دیکھنے والا اور خوب سننے والا ہے۔

۲۴ ان کا وہی مددگار اور کارساز ہے۔ وہ اپنے فیصلوں میں کسی کی شراکت گوارا نہیں کرتا نہ اس کی کوئی مزاحمت کر سکتا ہے اور نہ اس کی حکمرانی میں کوئی حصہ دار بن سکتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی غیر کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔

۲۵ فرار کی جگہ پناہ گاہ۔

يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ۖ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا ۖ

طلب گار ہیں اسکی رضا کے (۶۰) اور نہ ہٹیں آپکی نگاہیں ان سے کیا آپ چاہتے ہیں دنیوی زندگی کی زینت (۶۱)

۶۰ عیینہ بن حصن الفزاری جو قبیلہ مضر کا سردار تھا اسلام لانے سے پہلے ایک دفعہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ وہاں سلمان فارسی، ابوذر اور دیگر فقراء صحابہ نعت دیدارِ حبیب سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ پسینے کی بو اونی جبّوں سے اُٹھ رہی تھی۔ عیینہ کہنے لگا کیا یہ بدبو آپ کو تنگ نہیں کرتی۔ ہم قبیلہ مضر کے سردار ہیں۔ اگر ہم آپ کا دین قبول کرلیں تو سب لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ ہمارا آپکے پاس آنے کو جی تو چاہتا ہے لیکن جب آتے ہیں تو غلیظ اور بدبودار کپڑوں والے آپکے ارد گرد حلقہ بنائے ہوتے ہیں انھیں یہاں سے اٹھا دیں ہم آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں یا ان کے لیے کسی الگ مجلس کا انتظام کریں۔ تاکہ ان کا تعفن ہمارے دماغوں کو پریشان نہ کرے۔ فوراً جبرئیل امین فرمان الٰہی لے کر نازل ہوگئے۔ اصبر نفسك مع الذين "اللہ تعالیٰ کو ان مغرور اور متکبر لوگوں کی ہم نشینی پسند نہیں۔ آپ ان کے لیے ان لوگوں کی صحبت ترک نہ کریں جن کی زندگی کا مقصد وحید صرف اپنے رب کریم کی رضا جوئی ہے جو صبح و شام بلکہ ہر لمحہ اس کی یاد اور اس کی محبت میں محو رہتے ہیں وہ تیری نگاہ کرم کے پیاسے ہیں۔ وہ تیری نظرِ محبت کے بھوکے ہیں جب تو ان کو ایک مرتبہ شفقت و محبت بھرے انداز سے دیکھ لیتا ہے تو یہ سب رنج و غم بھول جاتے ہیں۔ اے محبوب ایسا نہ ہو کہ تیری نگاہِ عنایت ان سے پھر جائے۔ ان سے یہ صدمہ برداشت نہ ہوگا لاتعد عیناك عنھم کے اس جملہ سے دلنوازی اور دلربائی کے جو انداز سکھائے جا رہے ہیں ان کی کشش کسی درد کے مارے سے پوچھو وہ تمھیں بتائے گا کہ اس کی ساری خوشیاں اس کی نگاہِ کرم کے ایک گوشہ میں سمٹ کر آگئی ہیں۔ اسی ایک سہارے پر وہ ہجر کے صدمے اور جدائی کی طویل گھڑیاں خوشی خوشی گزار دیتے ہیں۔ اے دردِ محبت کے بیمارو! مژدہ باد! نگاہِ حبیب سے تم محروم نہیں ہوگے۔

علامہ آلوسی نے کیا خوب لکھا ہے فائدتھا منه عليه الصلوة والسلام تعود عليهم وذلك لانهم عشاق الحضرة وهو صلى الله عليه وسلم مرآتها ومرش تجليها ومعدن اسرارها ومشرق انوارها فمتى رأوه صلى الله عليه وسلم عاشوا ومتى غاب عنهم كئبوا وطاشوا واما صحبة الفقراء بالنسبة الى غيره صلى الله عليه وسلم ففائدتها تعود الى من صحبهم فهم القوم لا يشقى جليسهم (روح المعانی)

ترجمہ:۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کا فائدہ تو ان فقراء کو حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بارگاہِ الٰہی کے عشاق ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انوارِ الٰہی کے لیے آئینہ اور اس کی تجلیات کے لیے عرش اور اس کے اسرار کا معدن اور اس کے انوار کا مشرق ہیں۔ صحابہ کرام جب حضورؐ کے روئے زیبا کو دیکھتے تھے تو انھیں زندگی کا لطف حاصل ہوتا تھا اور جب حضورؐ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے تھے تو وہ رنجیدہ خاطر اور پریشان ہو جاتے تھے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا اور لوگ جو ان فقراء کی صحبت سے مشرف ہوتے ہیں۔ اس صحبت کا فائدہ انھیں نصیب ہوتا ہے کیونکہ

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ

اور نہ پیروی کیجئے ۴۸ اس (بدنصیب) کی غافل کر دیا ہے ہم نے جس کے دل کو اپنی یاد سے اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کا اور اس کا معاملہ

فُرُطًا ۝۲۸ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ

حد سے گزر گیا ہے ۴۹ اور فرمائیے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے ۵۰ پس جس کا جی چاہے وہ ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے

اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والے وہ گروہ ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں رہتا۔

لاتعد عینٰک عنہم پر غور فرمائیے اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ اپنی نگاہیں ان سے نہ پھیر لیں۔ کیوں کہ تعد مخاطب کا صیغہ نہیں بلکہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اس کا فاعل حضور نہیں بلکہ عیناک ہے اور تعد یہاں متعدی مستعمل نہیں بلکہ تنصرف کے معنی میں لازمی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں اور اپنے غلاموں سے دانستہ اور قصداً تو نگاہ نہیں پھیرتے لیکن کہیں بے دھیانی کے عالم میں نگاہیں نہ پھر جائیں۔

۴۷ علامہ قرطبی لکھتے ہیں ولم یرد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یفعل ذالک ولکن اللہ تعالیٰ نہاہ عن ان یفعلہ ولیس ھذا باکثر من قولہ لئن اشرکت لیحبطن عملک یعنی حضور نے زینتِ دنیا کا ارادہ نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ارادہ کرنے سے نہی فرما دی۔ یہ جملہ بعینہٖ اسی طرح ہے لئن اشرکت یعنی اگر آپ شرک کریں گے تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے حالانکہ شرک کا صدور حضورؐ سے محال ہے۔

۴۸ یعنی جو بے خبر لوگ آپ کے سامنے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ ان غریب و مسکین لوگوں کو اپنی مجلس میں شرفیاب ہونے سے روک دیجئے تاکہ رؤسا اور امراء آپ کے پاس بیٹھ سکیں۔ یہ لوگ ایسے نہیں کہ ان کی بات مانی جائے بلکہ ہم نے ان کے دلوں کو اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے۔ یہ عقلِ سلیم کے تقاضوں سے سراسر غافل ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ خوب و ناخوب، روا و ناروا، صحیح اور غلط کی تمیز ان میں نہیں۔

۴۹ فرط اگر تفریط سے ہو تو اس کا معنی ہوگا تقصیر اور کوتاہی یعنی وہ ایمان لانے سے قاصر ہیں۔ ان میں یہ ہمت ہی نہیں کہ وہ اس نعمت عظمیٰ کو قبول کر سکیں اور اگر افراط سے ہو تو اس کا معنی حد سے تجاوز کر جانا ہے۔ (قرطبی)

۵۰ یہ لوگ جو بڑے معتبر بنے پھرتے ہیں اور آپ کو مشورے دینے لگتے ہیں کہ فلاں کو اپنے پاس بیٹھنے دو اور فلاں کو مت بیٹھنے دو۔ فلاں گندہ ہے اس کے کپڑوں سے بو آتی ہے اور فلاں اپنے قبیلہ کا رئیس ہے بڑا مالدار اور جاگیردار ہے۔ انکو اپنے ہاں جگہ دیں گے تو سب لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو جائیں گے۔ اے حبیب! ان حقیقت ناشناسوں کو بتا دو کہ تمہارا دل چاہے ایمان لے آؤ اور دل نہ چاہے تو ایمان نہ لاؤ۔ ہم تمہاری پاسداری کے لیے ان کشتگانِ خنجرِ تسلیم سے روگردانی نہیں کر سکتے اگر اللہ تعالیٰ نے ان پھٹے پرانے کپڑے پہننے والوں کو نعمتِ ایمان سے نوازا ہے اور تم رئیسوں کو نظرانداز کر دیا ہے تو یہ اس کی مرضی اتما

فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِنْ

کفر کرتا رہے۔ بیشک ہم نے تیار کر رکھی ہے ظالموں کے لیے آگ ۴۱ گھیر لیا ہے انھیں اس آگ کی دیوار نے ۔ اور اگر وہ

يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ ۚ وَ

فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی ایسے پانی کے ساتھ جو پیپ کی طرح (غلیظ) ہے (اور اتنا گرم کہ) بھون ڈالتا ہے چہروں کو یہ

سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٢٩﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ إِنَّا لَا نُضِيْعُ أَجْرَ

مشروب بُرا (ترین) ہے اور (یہ) بری آرام گاہ (بڑی تکلیف دہ) ہے۔ بیشک ۴۲ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو ہمارا یہ دستور ہے کہ ہم ضائع

مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣٠﴾ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ

نہیں کرتے کسی کا اجر جو عمدہ اور (مفید) کام کرتا ہے۔ یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کے لیے ہمیشگی کے جنت ہیں ۴۳ رواں ہیں جن کے نیچے

ھو وعید و تھدید (قرطبی) یعنی ان الفاظ سے انہیں دھمکی دی جا رہی ہے اور انہیں عذاب شدید سے ڈرایا جا رہا ہے۔

۴۱ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر تم اسی غفلت اور خود پرستی میں مر گئے تو جس عذاب میں تمہیں ڈالا جائے گا اس کا تھوڑا سا حال بھی سن لو تاکہ اس وقت یہ نہ کہو کہ ہمیں اس ہولناک انجام کی خبر نہ تھی ورنہ ہم کیوں حق کا انکار کرتے۔

چند مشکل الفاظ کی تشریح:۔ سرادق جمع سرادقات کل ما احاط بشیء من حائط او مضرب او خباء ہر وہ چیز جو کسی کو اپنے گھیرے میں لے لے جیسے دیوار، خیمہ وغیرہ۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول کریم سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد آگ کی چار دیواریں ہیں۔ ہر ایک اتنی موٹی ہوگی کہ اسے طے کرنے کے لیے چالیس سال درکار ہوں گے۔ (ترمذی۔ احمد)

مھل مجاہد سے اس کا یہ معنی مروی ہے قال مجاھد۔ ھو القیح والدم پیپ اور خون وعن ابن عباس اسود کعکر الزیت یعنی تیل کا سیاہ تلچھٹ جو نیچے جم جاتا ہے۔ یشوی بھونتا بئس الشراب میں مخصوص بالذم المہل ہے اور ساءت کا مخصوص بالذم النار ہے۔ ترجمہ میں اسی معنی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۴۲ کفار کے عذاب الیم کے ذکر کے بعد اب ان انعامات و احسانات کا بیان ہو رہا ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو سرفراز فرمائیں گے۔

۴۳ اس جنت کا نام عدن ہے جو وسط میں ہے۔ جنت (واحد) کہنے کی جگہ جنات عدن (جمع) استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جنت اتنی کشادہ اور وسیع ہے گویا وہ ایک جنت نہیں بلکہ کئی جنتوں کا مجموعہ ہے۔ اساور جمع ہے اس کا واحد سوار۔ سندس اس کا واحد سندسہ ہے۔ وہ کپڑا جو باریک ریشم سے بنایا گیا ہو۔ استبرق وہ کپڑا جو موٹے ریشم سے بنایا گیا ہو۔

الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا

ندیاں انھیں پہنائے جائیں گے ان جنتوں میں کنگن سونے کے اور پہنیں گے سبز رنگ کا لباس

خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۭ نِعْمَ

جو باریک ریشمی کپڑے اور موٹے ریشمی کپڑے کا بنا ہوا ہوگا۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے وہاں مرصع پلنگوں پر۔ کتنا اچھا

الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا ع ٤ ١٦

ہے یہ اجر اور کتنی عمدہ ہے یہ آرام گاہ۔ اور بیان فرمائیے ان کے لیے مثال (کہ) دو آدمیوں کی ہم نے دیئے تھے

لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا

ان دونوں میں سے ایک کو دو باغ انگوروں کے اور ہم نے باڑ بنا دی ان دونوں کے ارد گرد کھجور (کے درختوں) کی اور

ارائک اس کا واحد اریکۃ۔ وہ نشست گاہ جو دلہن کے بٹھانے کیلئے آراستہ و مزین کی جاتی ہے الاریکۃ: سریر مزین فاخر (منجد) ۳۲ یہاں دنیا کی بے ثباتی اور اہل دنیا کی حرماں نصیبی کو ایک مثال سے واضح کیا جا رہا ہے۔ اہل عرب جن کی زمین بنجر اور ناقابل کاشت ہے جہاں پانی قلیل بلکہ اکثر مقامات پر نایاب ہے جہاں اگر کھجور کے چند سرسبز درختوں کا جھنڈ نظر آ جائے تو خوشی کی حد نہیں رہتی۔ ان لوگوں کے سامنے ان دو آدمیوں میں سے ایک کی ثروت اور خوشحالی کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے کتنا دلنشین اور اثر آفرین ہے۔

ایک شخص کے پاس باغ ہیں جہاں خوش ذائقہ انگوروں کی البیلی بیلیں اپنی بہار دکھا رہی ہیں ان باغوں کے ارد گرد بلند قامت کھجوروں کے درخت کھڑے ہیں جو اس باغ کو آندھیوں سے بھی بچاتے ہیں اور اپنے عمدہ اور شیریں پھل کے باعث بذات خود بھی منفعت بخش ہیں مزید برآں انگوروں کی بیلوں کی قطاروں میں جو جگہ بچ گئی ہے وہ بھی بیکار نہیں۔ بلکہ وہاں بھی کھیتی باڑی کی جاتی ہے اور کئی جنسیں کاشت ہوتی ہیں۔

علم زراعت و باغبانی کے جدید ماہرین جس چمن بندی کو آج مثالی قرار دے رہے ہیں۔ قرآن نے پہلے ہی اپنے ماننے والوں کو یہ نقشہ بتا دیا تھا انھوں نے شام، مصر، اندلس وغیرہ میں باغ لگوائے اور ان ویران علاقوں کو اپنی محنت اور ہنر مندی سے رشک ارم بنا دیا۔ قوم کے قوائے عمل کو راحت طلبی اور کم کوشی کا گھن لگا تو ان کے دوسرے علوم و فنون کی طرح ان کا فن باغبانی بھی اس ہمہ گیر زوال سے بچ نہ سکا۔ ورنہ مغلوں کے لگائے ہوئے باغات اور پیوند کاری کے ذریعہ سے ہر پھل اور جنس میں نئی اقسام کی اختراع کسے معلوم نہیں صرف آموں کی مختلف قسمیں سینکڑوں سے متجاوز ہیں۔

بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّ

اُگادی ان دونوں کے درمیان کھیتی۔ یہ دونوں باغ اپنے اپنے پھل لائے اور نہ کم ہوئی ان سے کوئی چیز۔ اور

فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ

ہم نے جاری کردیں ان کے درمیان نہریں۔ اور (باغوں کے علاوہ) اور بھی اس کے اموال تھے ف۵۳ تو (ایک روز) اس نے اپنے ساتھی

اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ

سے بحث مباحثہ کے دوران کہا کہ میں دولت کے لحاظ سے بھی تم سے زیادہ ہوں ف۵۴ اور نفری کے لحاظ سے بھی تم سے طاقتور ہوں۔ اور (ایک دن) وہ

قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿٣٥﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ

اپنے باغ میں گیا درآنحالیکہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنیوالا تھا کہنے لگا میں نہیں خیال کرتا کہ یہ سرسبز و شاداب باغ کبھی برباد ہوگا ف۵۵ اور میں یہ خیال

لَّئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ

بھی نہیں کرتا کہ کبھی قیامت بھی برپا ہوگی اور بفرضِ محال اگر مجھے لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میں ف۵۶ پاؤں گا اس (باغ) سے

ف۵۳ ازہری جو لغت کے امام ہیں کہتے ہیں ثمرۃ کی جمع ثمر اور ثمر کی جمع ثمار ہے اور ثمار کی جمع ثمر ہے قال الازہری الثمرۃ تجمع علی ثمر و یجمع الثمر علی ثمار ثم یجمع الثمار علی ثمر۔ اور قاموس میں ہے الثمرۃ محرکۃ حمل الشجر و انواع المال الواحدۃ ثمرۃ و ثمرۃ و جمعہ ثمار و جمع الجمع ثمر و جمع جمع الجمع اثمار۔ یہاں اس سے مراد باغات کے علاوہ جو مال و دولت کے ذخائر اس کے پاس تھے۔

ف۵۴ دولت مند آدمی اکثر کم ظرف ہوتے ہیں اور اپنی دولت کا ذکر کرنے سے ذرا نہیں جھجکتے۔

ف۵۵ یعنی یہ باغ کبھی خزاں آشنا نہیں ہونگے میرا خزانہ دن بدن بڑھتا ہی رہیگا۔ حادثاتِ زمانہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

ف۵۶ خدا فراموش اور مادہ پرست افراد اور اقوام کا اندازِ فکر آج بھی تقریباً یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں پہلے تو وقوعِ قیامت کا امکان ہی نہیں۔ یہ محض خبطِ عقلی ہے جس میں مذہب پرست لوگ مبتلا ہیں۔ اور خواہ مخواہ اس کے فکر میں صبح و شام گھلتے رہتے ہیں۔ اور اگر بفرضِ محال قیامت آ ہی گئی تو پھر بھی ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ماتھے کا ستارا چمکتا رہے وہاں بھی بخت کی ارجمندیاں ہمیں ہر طرح کی سعادتوں اور راحتوں سے بہرہ یاب کردیگی۔

وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

بہتر پلٹنے کی جگہ۔ اسکے ساتھی نے اسے بحث مباحثہ کے درمیان کہا ۵۹ کیا تو انکار کرتا ہے اس ذات کا جس نے تجھے پیدا فرمایا مٹی سے پھر نطفہ سے

ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ؀۳۷ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ؀۳۸ وَلَوْلَآ

پھر بنا سنوار کر تجھے مرد بنایا۔ لیکن میں (تو) وہ اللہ ہی میرا رب ہے۔ اور میں شریک نہیں ٹھیراتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو۔ اور کیوں

اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا

ایسا نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو کہتا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ ۶۰ (یعنی) وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کسی میں

اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ؀۳۹ فَعَسٰي رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ

کوئی طاقت نہیں اگر تو نے مجھے دیکھا کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں ۶۱ عجب نہیں میرا رب مجھے عطا فرما دے کوئی بہتر چیز ۶۲

۵۹ اب مومن کی گفتگو سنیے اور اس سے ایک بندۂ مومن کی سیرت و کردار کا اندازہ لگائیے۔ لکنا اصل میں لکن انا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تو اپنے خالق کو جھٹلا سکتا ہے جس نے تجھے تخلیق کے مختلف مرحلوں سے کمال حکمت کے ساتھ گزار کر یہاں تک پہنچایا ہے کہ تو ایک تندرست، خوبرو، باوقار مرد بن گیا لیکن میں تو اپنے خالق کو جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور صاف صاف اعتراف کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی میرا پروردگار ہے۔ اور میں کسی بڑی سے بڑی چیز کو بھی اس کا شریک بنانے کی غلطی نہیں کروں گا۔ عبارت یوں ہوئی لکن انا ھو اللہ ربی۔ اس کی ترکیب یہ ہے انا مبتدأ اول، ھو مبتدأ ثانی، اللہ مبتدأ ثالث، ربی اس کی خبر، دونوں مل کر مبتدأ ثانی کی خبر پھر یہ اپنی خبر سے مل کر انا مبتدأ اول کی خبر (البرہان زرکشی، جلد ۳ صفحہ ۳۹)۔

۶۰ دیکھ تو نے کتنی حماقت کی کہ جب تو اس پھلے پھولے باغ میں آیا تو داخل ہوتے وقت تو نے اتنا بھی نہ کہا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ یعنی وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور کسی کے پاس کوئی قوت و اختیار نہیں جس سے وہ کوئی کام کر سکے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کا معاون ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا من رأی شیئا فاعجبہ فقال ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ لم یضرہ۔ اگر کوئی شخص کسی چیز کو دیکھے اور وہ اسے پسند آئے تو یہ کہے ماشاء اللہ الخ اسے نظر نہیں لگے گی۔

۶۱ تیری کم نگاہی پر صد افسوس، تو مجھے اس لیے حقیر سمجھ رہا ہے کہ میں تجھ سے مال و اولاد میں کم ہوں۔

۶۲ میں اپنے فقر و فاقہ کے باوجود اپنے رب کریم کی جود و سخا سے مایوس نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مجھے ایسی نعمتیں بخشے گا جن کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے اور یہ شاداب باغات اور لہلہاتی ہوئی فصلیں جن کی وجہ سے تم تکبر کر رہے ہو فانی ہیں۔ غضب الٰہی کی ایک بجلی گری، نام و نشان تک مٹا دے گی۔ ایسی فانی اور ناپائیدار چیز پر مغرور ہو کر اپنے رب قدیر سے روگردانی کرنا عقلمندی نہیں۔

وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ أَوْ

پھر اس (باغ) سے اور اتارے اس باغ پر کوئی آسمانی عذاب ٦٣ تو ہو جائے یہ (سرسبز) باغ ایک چٹیل میدان۔ یا یوں

يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ﴿٤١﴾ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ

جذب ہو جائے اس کا پانی زمین کی گہرائی میں کہ پھر تو اس کو تلاش کے باوجود نہ پا سکے ٦٤ اور اس (کے باغ) کا پھل برباد ہو گیا ٦٥ پس وہ

يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَآ أَنفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ

کف افسوس ملنے لگا اس مال کے نقصان پر جو اس نے باغ پر خرچ کیا تھا اور اب وہ گرا پڑا تھا اپنے چھپروں پر اور (حسرت سے) کہنے لگا

يَٰلَيْتَنِى لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّىٓ أَحَدًا ﴿٤٢﴾ وَلَمْ تَكُن لَّهُۥ فِئَةٌ يَنصُرُونَهُۥ مِن

کاش! میں نے کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنایا ہوتا۔ اور نہ ہی تھی اس کے پاس کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی

دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ﴿٤٣﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ

اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اور نہ وہ بدلہ لینے کے قابل تھا ٦٦ یہاں سے ثابت ہو گیا کہ سارا اختیار اللہ سچے کیلیے ہے۔ وہی بہتر ثواب

٦٣ علامہ بیضاوی نے فرمایا ہے کہ یہ حسبان، حسبانۃ کی جمع ہے اس کا معنی بجلی کی کڑک۔ قال العلامۃ البیضاوی جمع حسبانۃ وھی الصواعق صعیدًا چٹیل زمین۔ زلقًا جس پر سختی کی وجہ سے قدم نہ جم سکے اور پھسل جائے یعنی اس کے غضب سے پناہ مانگتے رہو۔ اس کی بے نیازی سے ڈرتے رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بجلی کا صاعقہ آئے اور تیرے سارے گل و گلشن کو ملیا میٹ کر کے رکھ دے۔ سبزی کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ یہ زرخیز زمین جس کا چپہ چپہ آج سونا اگل رہا ہے ایسی بنجر اور اجاڑ ہو جائے کہ چلتے ہوئے لوگوں کے قدم پھسل پھسل جائیں۔

٦٤ یا پانی ہی زمین میں دھنس جائے اور تو ہزار جتن کرے اس کو ان گہرائیوں سے نہ نکال سکے۔

٦٥ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے رفیق کی مخلصانہ پند و موعظت کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ حسب سابق شرک و نافرمانی کی روش پر چلتا رہا یہاں تک کہ مہلت کی وہ گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ جو ہر عصیاں شعار اور غلط کار کو سنبھلنے کے لیے مرحمت فرمائی جاتی ہیں۔ تو وہ عذاب آیا جس نے اس کی خوابوں کی دنیا کو درہم برہم کر کے رکھ دیا اور وہ اپنے اجڑے ہوئے اور اکھڑے ہوئے باغ کو دیکھ کر کف افسوس ملنے لگا۔ علامہ قرطبی نے احیط بثمرہ کا معنی کیا ہے علی اھلاک مالہ کلہ کہ اس کا سب مال تہس نہس برباد ہو گیا

٦٦ انتصر کا معنی غالب آنا کامیاب ہونا بھی ہے لیکن اس کا ایک معنی انتقام لینا بھی ہے انتصر، ای انتقم یہاں مجھے یہی معنی موزوں

ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ ع ۵ ۱۷

بلحاظ اجر اور اس کے ہاں بہتر انجام ہے ۵۷ اور بیان فرمائیے ان سے دنیوی زندگی کی (ایک اور) مثال ۵۸ یہ پانی کی طرح ہے

اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا

جسے ہم نے اتارا ہے آسمان سے پس گھنجان ہو کر اگتی ہیں اس پانی سے زمین کی انگوریاں پھر کچھ عرصہ بعد وہ خشک بھس بن جاتی

تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ

ہے اڑائے پھرتی ہیں اسے ہوائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ مال اور فرزند (تو صرف)

زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا

دنیوی زندگی کی زیب و زینت ہیں ۵۹ اور (درحقیقت) باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے نیز

معلوم ہوتا ہے۔ ۵۷ وَلَایَۃ (واؤ پر زبر) کا معنی دوستی اور مدد کرنا ہے اور وِلَایَہ (واؤ کے نیچے زیر) کا معنی غلبہ ہے۔
عقب اور عاقبۃ دونوں کا معنی انجام ہے بعض کے نزدیک یہ ہم معنی ہیں وھما بمعنی واحد (قرطبی)

۵۸ ان حقیقت ناشناسوں کو جو غریب مفلس مسلمانوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں اور اپنے دنیوی جاہ و جلال پر پھولے نہیں سماتے سمجھانے کے لیے دنیا کی بے ثباتی کی ایک اور مؤثر مثال دی جا رہی ہے۔ اختلط کا معنی ہے گڈمڈ ہو جانا جب گھنی فصل گھنی پیدا ہوتی ہے تو اس کی بالیں گنجان بالوں کی طرح آپس میں مل جاتی ہیں۔ یہاں بھی فاختلط بہ نبات الارض سے یہی مقصود ہے کہ برسات کے پانی سے جو فصل اگتی ہے وہ آپس میں مختلط اور ملی جلی ہوتی ہے۔

۵۹ مال و اولاد کی خواہش کس دل میں نہیں۔ ان کے ہونے سے کون خوش نہیں ہوتا۔ اگر ان میں سے کوئی چیز نہ ہو تو زندگی کتنی بے مزہ اور بے کیف ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جنہیں سب جانتے ہیں۔ یہاں بتا دیا کہ مال و اولاد سے دنیوی زندگی مزین ہوتی ہے اور جب یہ زندگی خود ناپائیدار ہے تو اس کے متعلقات بھی ناپائیدار رہیں گے۔ اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی ساری عمر اپنی ساری کد و کاوش ان دنیوی زینتوں کے لیے وقف نہ کر دے۔ ایسا نہ ہو کہ جب یہ فنا ہو جائیں تو تم خالی ہاتھ ملتے رہ جاؤ بلکہ زاد آخرت کی بھی فکر کرو۔

۶۰ وہ نیک اعمال جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیے جائیں وہ اس حی و قیوم سے وابستہ ہونے کی وجہ سے بقاء دوام کی صفت سے متصف ہو جاتے ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں المال والبنون حرث الدنیا والاعمال الصالحات حرث الاخرۃ وقد یجمعھما اللہ لاقوام یعنی مال اور اولاد دنیا کی کھیتی ہے اور نیک اعمال آخرت کی کھیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کبھی بعض لوگوں کو یہ دونوں چیزیں

وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿٤٦﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّ

اور بہتر ہیں بحیثیت امید کے بھی ۔ اور (غور کرو) جس روز ہم چلا دیں گے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے) اور تم دیکھو گے زمین کو کہ کھلا میدان ہے ۱؎ اور

حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ

ہم جمع کریں گے انہیں پس نہیں چھوڑیں گے (پیچھے) ان میں سے کسی کو ۔ اور وہ پیش کیے جائیں گے آپ کے رب کی بارگاہ میں صفیں باندھے ہوئے ۲؎

لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ

(پھر ہم انہیں کہیں گے کہ) آخر تم آ گئے ہو ہمارے پاس جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمہیں پہلی بار، بلکہ تم تو یہ خیال کیے بیٹھے تھے کہ ہم نہیں مقرر

لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا

کریں گے تمہارے لیے وعدہ کا وقت ۔ اور رکھ دیا جائے گا (ان کے سامنے) نامۂ عمل ۳؎ پس تم دیکھو گے مجرموں کو کہ وہ ڈر رہے ہوں گے اس سے جو

عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا استکثروا من الباقیات الصالحات
قیل وما ھی یا رسول اللہ قال التسبیح والتہلیل والتحمید والتکبیر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ (رواہ احمد وغیرہ)
حضور نے فرمایا: باقی رہنے والے اعمال کثرت سے کیا کرو۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ وہ کیا ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تہلیل، تحمید،
تکبیر اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہیں۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ کثرت سے پڑھا کرو اس سے تکلیف
کے ننانوے دروازے بند ہوتے ہیں۔ ادناھا الھم سب سے کم درجہ کی تکلیف جو اس کے پڑھنے سے دور ہوتی ہے وہ ھم
یعنی حزن و ملال ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر سے مرفوعاً مروی ہے کہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ھن الباقیات
الصالحات۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جتنے نیک اعمال ہیں وہ باقیات صالحات ہیں۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے
کہ یہی قول صحیح ہے وھو الصحیح انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱؎ اب روز قیامت کے احوال کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

۲؎ سب مخلوق صفیں باندھے سر جھکائے حاضر بارگاہ قدس ہوگی۔ دنیا میں عمر بھر جو لوگ قیامت کا انکار کرتے رہے اور فلسفے بگھارتے رہے انہیں کہا جائے گا کہ تم تو کہتے تھے کہ قیامت وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ بتاؤ ہمارے رسولوں کی بات سچی ثابت ہوئی یا نہ ہوئی۔

۳؎ ہر ایک کا نامہ عمل اس کے سامنے پیش کیا جائے گا مجرموں کی حالت ناگفتہ بہ ہوگی۔ شدت خوف سے ان کے دل دھڑک رہے ہوں گے۔ چہروں کا رنگ فق ہو گیا ہوگا اور حسرت و ندامت کے باعث یوں گویا ہوں گے۔

فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا

اس میں ہے اور کہیں گے صد حیف! اس نوشتہ کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں چھوڑا اس نے کسی چھوٹے گناہ کو اور نہ

كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ

کسی بڑے گناہ کو مگر اس نے اسکا شمار کر لیا ہے اور پائیں گے جو عمل انھوں نے کیے تھے اپنے سامنے۔ اور آپکا رب اے حبیب! کسی

اَحَدًا ﴿٤٩﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ

زیادتی نہیں کرتا۔ اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ

وہ قوم جن سے تھا سو اس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی کیا تم بناتے ہو اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست

مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿٥٠﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ

مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں ظالموں کے لیے بہت برا بدلہ ہے۔ میں نے ان سے مدد نہیں لی تھی

خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ

جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا گیا اور نہ اس وقت ان سے مدد لی جب خود انھیں پیدا کیا اور میں نہیں بنایا کرتا گمراہ کرنے

منکرین حق کو اب ایک نئے انداز سے غیرت حق دلائی جا رہی ہے۔ انھیں شرم دلائی جا رہی ہے کہ تم اسی آدم کی اولاد ہو جس کی ہم نے اتنی عزت افزائی کی کہ نورانی فرشتوں کو بھی حکم دیا کہ اسے سجدہ کریں اور شیطان نے جب سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اسے اس جرم کی پاداش میں کہ اس نے تمہارے باپ آدم کو سجدہ نہیں کیا اپنی بارگاہ عزت سے دھتکار دیا گیا وہ تمہارا قدیمی دشمن ہے۔ اب ایسی بھلا کے تم اپنے رب کریم کی نافرمانی کر رہے ہو تمہیں تو شرم کے مارے ڈوب مرنا چاہیے۔

ان الفاظ سے یہ بتا دیا کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا بلکہ جن تھا۔ ففسق کی فاء اس امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اس کے فسق اور حکم عدولی کی وجہ یہی تھی کہ اس کا عنصر ناری تھا۔ اس کی فطرت میں تمرد اور سرکشی تھی۔

منکرین حق کو شرم دلائی جا رہی ہے کہ تم اپنے قدیمی دشمن ابلیس کا حکم ماننے کے لیے تو ہر وقت تیار رہتے ہو لیکن اپنے مولیٰ کریم کے احکام بجا لانے میں تمہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

جن شیطانوں کے پیچھے تم لگے ہوئے ہو اور جن کو اپنا معبود اور کارساز یقین کرتے ہو بھلا سوچو ان کی مقدرت کیا ہے کہ کسی

الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ﴿٥١﴾ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ

والوں کو اپنا دست و بازو۔ اور جس روز اللہ تعالیٰ (کفار کو) فرمائے گا ۵۱ بلاؤ میرے شریکوں کو جنھیں تم (میرا شریک) خیال کیا

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا ﴿٥٢﴾ وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ

کرتے تھے تو وہ انھیں پکاریں گے پس وہ انھیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم حائل کر دیں گے ان کے درمیان ایک آڑ ۵۲ اور دیکھیں گے مجرم جہنم کی آگ کو

ع ٧ ١٩ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُم مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾ وَلَقَدْ

اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی کوئی جگہ۔ اور بیشک ہم نے طرح طرح

صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِن كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ

سے بار بار بیان کی ہیں اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں اور انسان ہر چیز سے بڑھ کر

شَيْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا

جھگڑالو ہے ۵۳ اور کس چیز نے روکا ہے لوگوں کو اس بات سے کہ وہ ایمان لے آئیں جب آگئی ان کے پاس ہدایت (کی روشنی) اور

کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں نہ زمین آسمان کی تخلیق میں انکا کوئی حصہ ہے اور نہ انکے پیدا کرنے میں انکی مرضی کا کچھ دخل ہے پھر یہ خود بھی اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور سرکش ہیں اور اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ اپنی خدائی کے کسی کام میں ان سے مدد طلب کرے جو اسکا نافرمان ہے۔

۵۲ روز قیامت کا ذکر ہے اس روز بتوں کے پجاریوں سے خطاب ہوگا یقول ذلک لعبدۃ الاوثان (قرطبی) موبقا: حاجزا بین الاوثان وعبدتھم۔ قال ابن الاعرابی: کل شیء حاجز بین شیئین فھو موبق (قرطبی) دو چیزوں کے درمیان جو چیز آڑ اور رکاوٹ ہو اسے حاجز کہتے ہیں یعنی بتوں اور ان کے پرستاروں کے درمیان آڑ قائم کر دی جائے گی۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ جہنم کی ایک وادی کا نام موبق ہے جو پیپ اور خون سے بھری ہوگی۔

۵۳ یہاں انسان سے مراد نافرمان اور سرکش انسان ہے۔

۵۴ یعنی جب آفتاب ہدایت طلوع ہو چکا اور اس کی روشنی نے مشرق و مغرب کو منور کر دیا تو اب اندھے بنے ہوئے یہ کیوں ٹھوکریں کھا رہے ہیں کیا یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح تباہ کن عذاب پہلی اقوام پر اترا تھا ان پر بھی اترے اور ان کو خاک سیاہ بنا کر رکھ دے۔ قُبُلًا حال ہے اس کا واحد قبیل ہے جیسے سبیل کی جمع سُبُل ہے اس کا معنی ہے طرح طرح کا عذاب قُبُلًا اصناف العذاب کلہ۔ نحو کے امام فراء نے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ قُبُل قبیل کی جمع ہے اس کا معنی ہے متفرقا یتلو بعضہ بعضا یعنی

رَبَّهُمْ إِلَّآ أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾

مغفرت طلب کریں اپنے رب سے مگر یہ کہ وہ منتظر ہیں کہ آجائے انکے پاس اگلوں کا دستور یا آجائے ان کے پاس طرح طرح کا عذاب۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ

اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر مژدہ سنانے والے اور ڈرانے والے اور جھگڑتے ہیں کافر لوگ

كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ۖ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنْذِرُوا

بے سروپا دلیلوں کی آڑ لے کر تاکہ وہ مٹا دیں اس سے حق کو اور بنا لیا ہے انھوں نے میری آیتوں کو اور جن سے وہ ڈرائے گئے

هُزُوًا ﴿٥٦﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ

ایک مذاق۔ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے نصیحت کی گئی اسکے رب کی آیتوں سے پس اس نے روگردانی کر لی ان سے اور فراموش کر دیا

مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي

اسے ان اعمال بد کو جو آگے بھیجے تھے اسکے دونوں ہاتھوں نے ہم نے ڈال دیئے انکے دلوں پر پردے تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور انکے

آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٥٧﴾

کانوں میں گرانی پیدا کر دی اور اگر تم بلاؤ انھیں ہدایت کی طرف تو تب بھی وہ ہدایت قبول نہیں کریں گے۔

ایک عذاب کے بعد دوسرا عذاب۔ اور قِبَلًا (قاف پر زیر) کا معنی ہے عیاناً۔ (قرطبی)

لشہ بالباطل کا تعلق یجادل کے ساتھ ہے یعنی ان کافروں کا جھگڑا کسی معقولیت پر مبنی نہیں۔ ان کے پاس اپنے موقف کی سچائی ثابت کرنے کے لیے کوئی ایسی دلیل بھی نہیں جو سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہو۔ یوں ہی اناپ شناپ ہانکتے رہتے ہیں۔

لشہ دحض کا لغوی معنی ہے پاؤں کا پھسلنا۔ اصل الدحض الزلق یقال دحضت رجلہ ای زلقت (قرطبی)
کسی دلیل کے مسترد کر دینے کو بھی دحض کہتے ہیں دحضت حجتہ دحضا بطلتہ مدعا یہ ہے کہ ان کی ساری کوششیں اس پر مرکوز رہتی ہیں کہ وہ حق کو باطل کر کے دکھائیں اور اہل حق کو اس سے پھسلا دیں۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ

اور آپ کا پروردگار تو بہت بخشنے والا اور بڑی رحمت والا ہے ۸۳ اگر وہ پکڑ لیتا انھیں انکے کیے پر تو جلد ان پر

الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۵۸ وَتِلْكَ

عذاب بھیج دیتا وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ ان (کی سزا) کے لیے ایک وقت مقرر ہے نہیں پائیں گے اس وقت اسکے بغیر کوئی پناہ کی جگہ۔ اور یہ بستیاں

ع ۹ ۲۰ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۵۹ وَاِذْ قَالَ

ہیں ہم نے تباہ کر دیا ان کے باشندوں کو جب وہ ستم شعار بن گئے اور ہم نے مقرر کر دی تھی انکی ہلاکت کیلئے ایک میعاد۔ اور یاد کرو جب کہا

مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۶۰

موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو کہ میں چلتا رہونگا یہاں تک کہ پہنچوں جہاں دو دریا ملتے ہیں یا چلتے چلتے گزار دونگا مدت دراز ۸۴

۸۳ھ چاہیے تو یہ تھا کہ ان ظالموں کو فوراً عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیا جاتا اور انھیں ذرا ڈھیل نہ دی جاتی لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت بے پایاں اور رحمت وسیع ہے وہ ایسے لوگوں پر بھی اپنی نعمتوں کی بارش کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جاتی ہیں اور مقررہ وقت آجاتا ہے۔ موئل: لوٹ کر آنے کی جگہ آل سے اسم ظرف ہے۔

۸۴ھ ان دو رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے کا ذکر ہے۔ آیات کی تشریح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند امور کی وضاحت کر دی جائے تاکہ آیات کے مطالب بیان کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو اس واقعہ میں مندرجہ ذیل امور غور طلب ہیں:-

(۱) یہ موسیٰ کون ہیں۔ (۲) اس واقعہ کا محرک کیا ہے۔ (۳) آپ کے نوجوان خادم کا نام کیا ہے۔ (۴) وہ بندۂ خاص کون ہے۔ (الف) اس کا نام کیا ہے۔ (ب) کیا وہ ولی تھا یا نبی۔ (ج) وہ اب زندہ ہے یا نہیں۔
(۵) وہ جگہ جہاں یہ دونوں حضرات ملے تھے وہ کہاں ہے۔ باقی چیزیں آیات کی تشریح کے ضمن میں بیان ہو جائیں گی۔
پہلی چیز کے متعلق جو روایت صحیحین میں ہے اس کا ذکر کرنا ہی کافی ہے۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے اس موسیٰ کے متعلق دریافت کیا اور انھیں بتایا کہ نوف بکالی کا خیال ہے کہ اس واقعہ میں جس موسیٰ کا ذکر ہے وہ موسیٰ بنی اسرائیل نہیں بلکہ یہ موسیٰ بن افراثیم بن یوسف ہے۔ حضرت ابن عباس نے یہ سن کر فرمایا اللہ کے دشمن نے جھوٹ بکا ہے۔ ہمیں ابی بن کعب نے بتایا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ سے پوچھا گیا

سب سے بڑا عالم کون ہے۔ آپ نے جواب میں کہا میں سب سے بڑا عالم ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ انھوں نے علم کو اپنی طرف کیوں منسوب کیا ہے اس کی ذات کی طرف کیوں نہیں تفویض کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ مجمع البحرین میں میرا ایک بندہ ہے جو تجھ سے زیادہ عالم ہے۔ موسیٰؑ نے عرض کی یا الٰہی میں اس کی خدمت میں کیونکر پہنچ سکتا ہوں۔ حکم ہوا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی ٹوکری میں رکھ لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہیں کہیں اس بندے کی قیام گاہ ہوگی۔ (۲) اس فتیٰ سے مراد یوشع بن نون ہیں، وہ نوجوان تھے۔ سفر و حضر میں حضرت کلیم کی خدمت میں رہا کرتے تھے (۳)

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ بندہ خضر علیہ السلام ہے۔ ان کا نام بلیا بن ملکان ہے کیونکہ جہاں یہ تشریف فرما ہوتے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی اس لیے خضر آپ کا لقب ہو گیا اور وہ اسی لقب سے مشہور ہیں۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ وہ ولی تھے۔ لیکن علامہ پانی پتی اور دیگر علماء محققین کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی تھے کیونکہ ولی کے الہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے۔ اور اس میں خطا کا احتمال ہوتا ہے۔ الہام کی وجہ سے قتل جیسے سنگین فعل کا ارتکاب جائز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آپ کو نبی ماننا پڑے گا اور نبی کا علم یقینی ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ خضر اب زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔ اس میں علماء کے دو گروہ ہیں اور دونوں گروہوں نے اپنے اپنے موقف کو سچا ثابت کرنے کے لیے دلائل کے انبار لگا دیے ہیں۔ علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر میں ان دلائل کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن متعدد صفحات پر پھیلی ہوئی اس بحث کا مطالعہ کرنے کے باوجود تسکین نہیں ہوتی اور انسان کسی ایسے نتیجہ پر نہیں پہنچتا جس سے دل مطمئن ہو۔

اللہ تعالیٰ عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کو اپنے انوار کا مہبط بنائے انھوں نے اس سلسلہ میں ایک ایسی بات رقم کی ہے جس سے دلائل کا تضاد بھی رفع ہو جاتا ہے اور انسان کے دل میں ایک اطمینان بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں یہاں فریقین کے دلائل کا نقل کرنا تطویل کا باعث ہوگا صرف تفسیر مظہری کی وہ عبارت لکھ دینا کافی ہے مجھے امید ہے کہ ان کی تحقیق سے جس طرح میری تشویش دور ہوئی اس کے مطالعہ سے آپ کی پریشانی بھی ختم ہو جائے گی۔

فریقین کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس اشکال کا حل حضرت مجدد الف ثانی کے کلام کے بغیر ناممکن ہے۔ حضرت مجدد سے حضرت خضر کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں تو وہ بارگاہِ الٰہی میں حقیقتِ حال کے انکشاف کے لیے متوجہ ہوئے۔ فرأى الخضرَ حاضراً عنده فسأله عن حاله فقال انا والياس لسنا من الاحياء لكن الله سبحانه اعطى لارواحنا قوة تتجسد بها ونفعل بها افعال الاحياء من ارشاد الضال واغاثة الملهوف اذا شاء الله وتعليم العلم اللدنى واعطاء النسبة لمن شاء الله تعالى وجعلنا معينا للقطب المدار من اولياء الله تعالى الذى جعله الله تعالى مدارا للعالم وجعل بقاء العالم ببركة وجوده وافاضته وقال الخضر ان القطب فى هذا الزمان فى ديار يمن متبع للشافعى فى الفقه قال فنحن نصلى مع القطب صلوة على مذهب الشافعى فبهذا الكشف الصحيح اجتمع الاقوال وذهب الاشكال والحمد لله الكبير المتعال۔ (مظہری)

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهٗ فِي الْبَحْرِ

پھر جب وہ دونوں پہنچے جہاں آپس میں دو دریا ملتے ہیں[۵۵] دونوں بھول گئے اپنی مچھلی کو تو بنا لیا اس نے اپنا رستہ دریا میں

ترجمہ ، تو حضرت مجدد الف ثانی نے دیکھا کہ حضرت خضرؑ انکے پاس کھڑے ہیں۔ آپ نے ان سے ان کی حقیقت حال دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں اور الیاس زندوں میں سے نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت بخشی ہے جس سے ہم مجسم ہو جاتے ہیں اور زندوں کے سے کام کرتے ہیں مثلاً جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم گمراہ کی رہنمائی کرتے ہیں اور مصیبت زدہ کی مدد کرتے ہیں علم لدنی کی تعلیم دیتے ہیں اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو اسے روحانی نسبت مرحمت کرتے ہیں۔ ہمیں اولیاء اللہ میں سے جو قطب ہوتا ہے اس کا معاون و مددگار بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مدار عالم بنایا ہے اور اس کی برکت و فیض سے دنیا کی بقا ہے آجکل یمن کے ایک بزرگ قطب مدار ہیں جو شافعی المذہب ہیں۔ ہم ان کے ساتھ شافعی مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں۔ اس کشف صحیح سے مختلف اقوال کا تضاد ختم ہو گیا اور اشکال دور ہو گیا۔ سبحان اللہ تعالیٰ کے لیے جو کبیر متعال ہے۔

۵۵ ۔ وہ مقام جہاں ان دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی تھی وہ کہاں ہے۔ قرآن کریم نے اسے مجمع البحرین (دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ ، سنگم) سے تعبیر کیا ہے اس کے بارے میں بھی علماء مختلف رائے رکھتے ہیں۔ چند اقوال کشاف سے منقول ہیں۔ مجمع البحرین سے مراد (۱) فارس اور روم کے دریاؤں کا سنگم (۲) طنجہ (۳) افریقیہ اور اندلسی مفسرین نے تو اندلس دریا مراد لیے ہیں وقیل هو بحر بالاندلس (محیط لابن حیان) هو بحر الاندلس من البحر المحیط (قرطبی) بعض فضلاء نے وہ جگہ مراد لی ہے جہاں دریائے نیل کی دو شاخیں بحر ابیض اور بحر الازرق آکر ملتی ہیں۔ لیکن یہ قول اس وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب اس واقعہ کا وقوع مصر سے ہجرت کرنے سے پہلے کا ہو۔ لیکن دیگر روایات اس کی تائید نہیں کرتیں اور اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ سینا اور تیہ میں اقامت فرمانے کے بعد حضرت موسیٰ پھر مصر تشریف لے گئے ہوں۔ بہرحال مجمع البحرین کوئی سے دو دریاؤں کے سنگم کا نام ہو قرآن کریم نے جس مقصد کے لیے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس کا سمجھنا اس پر موقوف نہیں۔

ان امور کو ذہن نشین کر لینے کے لیے اب آیات طیبہ کی طرف توجہ فرمائیے۔

ے فتیٰ سے مراد یوشع بن نون ہیں۔ فتیٰ نوجوان کو کہتے ہیں۔ خادم کو ادب و احترام کے لیے خادم کے بجائے فتیٰ (نوجوان) کے لفظ سے یاد فرمایا گیا اس سے ہمیں یہ سکھایا گیا کہ فرق مراتب کے باوجود ہمیں کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیے جس سے کسی اپنے سے کم درجہ کی تذلیل اور دل آزاری کا پہلو نکلتا ہو۔ حُقُبًا زمانہ طویل کو کہتے ہیں بعض نے اسّی سال اور بعض نے ستر سال کی تعیین کی ہے جو قطعاً بے ضرورت ہے۔

۵۵ جب دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو سفر کی تھکان دور کرنے کے لیے ایک چٹان کے سایہ میں استراحت فرما ہوئے توشہ دان میں بھنی ہوئی مچھلی بھی تھی اسے جب اس خطہ کی ہوا لگی جس میں اس مرشد کے سانس کی مہک بسی ہوئی تھی تو وہ زندہ ہو گئی اور اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ سَرَب : راستہ۔ یعنی جہاں سے وہ گزرتی گئی ایک طویل راہ کے نشانات چھوڑتی گئی۔

سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدۡ لَقِيۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا

سرنگ کی طرح۔ پس جب وہاں سے آگے بڑھ گئے ۹۶ آپ نے اپنے جوان ساتھی سے کہا لاؤ ہمارا صبح کا کھانا بیشک ہمیں برداشت کرنی پڑی ہے

هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اَرَءَيۡتَ اِذۡ اَوَيۡنَاۤ اِلَى الصَّخۡرَةِ فَاِنِّىۡ نَسِيۡتُ الۡحُوۡتَ

اپنے اس سفر میں بڑی مشقت۔ اس ساتھی نے کہا (کیا) آپ نے ملاحظہ فرمایا ۹۷ جب ہم ستانے کیلئے اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو

وَمَاۤ اَنۡسٰنِيۡهُ اِلَّا الشَّيۡطٰنُ اَنۡ اَذۡكُرَهٗ‌ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيۡلَهٗ فِى الۡبَحۡرِ ‌ۖ

میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کروں اور اس نے بنا لیا تھا اپنا راستہ دریا میں بڑے تعجب

عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبۡغِ‌ ۖ فَارۡتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾

کی بات ہے۔ آپ نے فرمایا یہی تو وہ (جگہ) ہے جس کی ہم جستجو کر رہے تھے ۹۸ پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے۔ تو پایا انھوں

فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا

نے ایک بندے کو ۹۹ ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے ۱۰۰ اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے

۹۶ آرام کرنے کے بعد پھر سفر شروع ہو گیا۔ کچھ دور پہنچے تو تھکاوٹ اور بھوک نے پاؤں پکڑ لیے اور آپ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ کھانا لائے۔

نصب: تھکاوٹ۔

۹۷ اب یوشع کو یاد آیا کہ جب وہ اس چٹان کے نیچے ستانے کے لیے آئے تھے تو مچھلی توشہ دان سے نکل کر دریا میں کود گئی تھی لیکن اس وقت عرض کرنا بھول گئے۔ اب جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانا طلب کیا تو سارا ماجرا عرض کر دیا۔ اور آخر میں اپنی بھول کی معافی مانگی۔

۹۸ آپ نے سن کر فرمایا۔ وہی تو ہماری منزل مراد تھی ہم تو اپنی منزل سے آگے نکل آئے۔

۹۹ جب وہاں واپس پہنچے تو جس مرد خدا کی تلاش میں نکلے تھے ان سے وہاں ملاقات ہو گئی۔ حضرت خضر وہاں سفید چادر لپیٹے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام دیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا آپ موسیٰ بنی اسرائیل ہیں۔ آپ نے پوچھا آپ کو کیسے خبر ہو گئی تو حضرت خضر نے فرمایا جس نے تجھے میری طرف بھیجا ہے اسی نے مجھے بھی بتایا ہے۔ عبادنا میں اضافت شرف و عزت افزائی کے لیے ہے یعنی وہ ہمارے ان بندوں سے تھا جن کو ہمارے حضور میں قرب کا مقام حاصل تھا۔

عِلْمًا ﴿٦٥﴾ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ

خاص علم لدنی ٩١ کہا اس بندہ کو موسیٰ نے کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط پر کہ آپ سکھائیں مجھے رشد و ہدایت کا خصوصی علم جو آپ کو سکھایا

رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا

گیا ہے ٩٢ اس بندے نے کہا (اے موسیٰ) آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ٩٣ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر

لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي

جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں۔ آپ نے کہا آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا

لَكَ أَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ

آپ کے کسی حکم کی اس بندے نے کہا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں نہ پوچھنا یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا

٩٠ اس بندے کی مزید توصیف فرمائی جارہی ہے۔

٩١ نیز اس رحمت خصوصی کے علاوہ اسے ایسا علم عطا فرمایا تھا جو عام انسانی ادراک سے بالکل جدا ہے۔ نہ وہاں مقدمات کو مرتب کیا جاتا ہے نہ ان میں غور و فکر کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ خود بخود عقدے کھلتے جاتے ہیں پردے اٹھتے جاتے ہیں اور حقائق و مطالب کا انکشاف ہوتا جاتا ہے اور ذات باری اور صفات باری کی حقیقت پر آگاہی ہوتی جاتی ہے۔

٩٢ حضرت موسیٰ اپنی جلالت شان کے باوجود کتنے ادب و احترام سے اپنی خواہش کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ہر طالب کو حضرت کلیم کے اس اسوہ حسنہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ جب تک دل میں ادب و احترام کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا افادہ و استفادہ کا سلسلہ بند رہتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اپنے سے کم درجہ والے میں کوئی کمال ہو تو اس کے حصول سے باز نہیں آنا چاہیے۔ وهذه الآية تدل على ان المفضول قد يكون له فضل جزئي على من هو افضل منه وعلى ان الفاضل ينبغي ان يطلب هذه الحصة من الفضل من المفضول۔ (مظہری)

٩٣ حضرت خضر کو معلوم تھا کہ علوم تکوینیہ کے جو راز مجھ پر منکشف کیے گئے ہیں ایک صاحب شریعت رسول ان پر سکوت اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لیے پہلے ہی اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایسے امور واقع ہوں گے تو آپ ضرور اعتراض کریں گے اور جہاں اعتراض کی نوبت آجائے وہاں افادہ و استفادہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اسی لیے صوفیاء کرام نے فرمایا انه يجب على المريد ترك الاعتراض على الشيخ (مظہری) مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ پر اعتراض نہ کرے۔

لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ

خود ذکر کروں ۹۴ پس وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے کشتی میں تو اس بندے نے اس میں شگاف کر دیا ۹۵

اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿٧١﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

موسیٰ بول اٹھے کیا تم نے اس لیے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو یقیناً تم نے بہت برا کام کیا ہے۔ اس بندے نے کہا

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَ

کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں۔ آپ نے (عذر خواہی کرتے ہوئے) کہا کہ نہ گرفت کرو مجھ پر میری

لَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ﴿٧٣﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ

بھول کی وجہ سے اور نہ سختی کرو مجھ پر میرے اس معاملہ میں بہت زیادہ ۹۶ پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب وہ ملے ایک لڑکے کو تو اسے

قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ﴿٧٤﴾

اسے قتل کر ڈالا ۹۷ موسیٰ (غضبناک ہوکر) کہنے لگے کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو کسی نفس کے بدلے کے بغیر۔ بیشک آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ہی نازیبا ہے

۹۴ جب موسیٰ علیہ السلام نے یقین دلایا کہ وہ ان کی کسی طرح نافرمانی نہیں کریں گے تو آپ نے فرمایا جو واقعات رونما پذیر ہوں انھیں خاموشی سے دیکھتے چلے جائیے لیکن ان کے متعلق استفسار نہ کیجیے۔ یہاں تک کہ میں خود ہی پردہ اٹھاؤں اور حقیقت حال سے آپ کو آگاہ کروں۔ باہمی طور پر یہ طے کرنے کے بعد اب سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔

۹۵ پہلے کشتی کا واقعہ پیش آیا جس کا ایک تختہ حضرت خضر نے توڑ کر رکھ دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ کو یارائے سکوت نہ رہا اور فوراً اعتراض جڑ دیا کہ آپ نے کشتی میں سوراخ کرکے بڑی نازیبا حرکت کی ہے۔ شیئاً امرای عظیما من أمر الامر اذا عظم و قال البغوی الامر فی کلام العرب الداھیۃ۔ امر کا معنی عظیم ہے۔ جب کوئی کام برا ہو جائے تو عرب کہتے ہیں أمِرَ الامر۔ علامہ بغوی نے کہا ہے کہ عربی لغت میں اِمْرٌ کا معنی 'داھیۃ' (خوفناک) ہے۔

۹۶ حضرت موسیٰ نے معذرت چاہی اور آئندہ کے لیے محتاط ہونے کا یقین دلایا۔ لا ترھقنی: کسی پر ایسا بوجھ لاد دینا جس کا اٹھانا اس کے لیے از بس مشکل ہو وقیل معناہ لا تکلفنی مشقۃ۔

۹۷ پھر قتل غلام کا واقعہ پیش آیا۔ ایک نابالغ بے گناہ بچے کو یوں قتل ہوتے دیکھ کر حضرت کلیم کو یارائے ضبط نہ رہا، اور لقد جئت شیئا نکرا کے زوردار الفاظ سے احتجاج کر دیا۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝٧٥ قَالَ اِنْ

اس نے کہا کیا پہلے ہی میں نے کہہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کر سکیں گے ۹۸ آپ نے کہا اگر میں پوچھوں

سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ

آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے

لَّدُنِّیْ عُذْرًا ۝٧٦ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ۣاسْتَطْعَمَاۤ

معذور رہوں گے ۹۹ پھر وہ چل پڑے ۱۰۰ یہاں تک کہ جب ان کا گزر ہوا گاؤں والوں کے پاس تو انھوں نے

اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ

ان سے کھانا طلب کیا تو انھوں نے (صاف) انکار کر دیا ان کی میزبانی کرنے سے پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو

یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا ۝٧٧ قَالَ

گرنے کے قریب تھی تو اس بندے نے اسے درست کر دیا۔ موسیٰ کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے۔ اس نے کہا

۹۸ حضرت خضر نے کہا میں نے تو پہلے ہی آپ کو بتا دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر سے وقت بسر نہیں کر سکتے۔ اس لیے آپ کا میرے ہمراہ جانا بے سود ہو گا۔

۹۹ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا اب ایک بار پھر جانے دو۔ اگر پھر بھی مجھ سے ایسی بے صبری صادر ہوئی تو آپ مجھے اپنی رفاقت سے محروم کر دیجیے۔ میں پھر اس جدائی پر آپ کو معذور پاؤں گا۔

۱۰۰ کچھ عرصہ پھر اکٹھے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں میں آئے جہاں کے باشندوں نے ان کی طلب کے باوجود ان کی مہمان نوازی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ وہاں ایک دیوار جھکی ہوئی دکھائی دی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی گری ابھی گری۔ حضرت خضر نے دیکھا تو اس کی مرمت کر کے درست کر دیا اور کسی مزدوری کا مطالبہ بھی نہ کیا۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا آپ بھی عجیب ہیں۔ گاؤں والوں نے تو اتنی بے مروتی کا ثبوت دیا کہ ہمیں سوکھی روٹی تک نہ دی اور آپ ہیں کہ ان کی گرتی ہوئی دیوار کو بلا معاوضہ درست کرتے جا رہے ہیں۔

هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ

(بس) کہا خضر نے اب میرے اور آپکے درمیان جدائی کا وقت آگیا ۱۰۱ میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت سے جن کے

عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝۷۸ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ

متعلق آپ صبر نہ کر سکے۔ وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں۔

فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ

سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنا دوں اور ان کی مجبوری یہ تھی کہ انکے آگے ایک (جابر) بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی

غَصْبًا ۝۷۹ وَأَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ أَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَآ أَنْ يُرْهِقَهُمَا

اور وہ جو لڑکا تھا تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اسکے والدین مومن تھے پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (اگر زندہ رہا تو) مجبور کر دیگا انہیں

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝۸۰ فَأَرَدْنَآ أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ

سرکشی اور کفر پر۔ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انھیں ان کا رب ایسا بیٹا جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر)

أَقْرَبَ رُحْمًا ۝۸۱ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ

زیادہ مہربان ہو ۱۰۲ باقی رہی دیوار (تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ) وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی

وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صٰلِحًا ۚ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ

اور اسکے نیچے انکا خزانہ (دفن) تھا اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا ۱۰۳ پس آپکے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ

۱۰۱ اب جب تیسری مرتبہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کر دیا تو حضرت خضر نے فرمایا کہ اب میں اور آپ ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ آپ کو رخصت کرنے سے پہلے آپ کو ان اسرارِ تکوینیہ پر آگاہ کر دوں جن پر آپ سکوت اختیار نہ کر سکے۔ پھر آپ نے یکے بعد دیگرے تمام واقعات کی حقیقت آپ کے سامنے پیش کر دی۔

۱۰۲ رُحْمٌ مصدر ہے رحم یرحم رحمۃ ومرحمۃ ورُحْمًا ورُحُمًا: رق له وشفق عليه، مہربان ہونا شفقت کرنا (منجد)

۱۰۳ محمد بن منکدر سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندے کی صلاح وتقویٰ کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد

يَبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا

دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دفینہ ۱۴۳ یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی اور (جو کچھ)

فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ﴿۸۲﴾ ع ۱۰

میں نے کیا، میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا یہ حقیقت ہے ان امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

کی اولاد اور اسکے خاندان کی نگہبانی فرماتا ہے۔ اور جب تک وہ نیک بندہ کسی مقام پر سکونت پذیر رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے پڑوسیوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے قال محمد بن منکدر ان اللہ یحفظ بصلاح العبد ولدہ وولد ولدہ وعترتہ وعشیرتہ واھل دویرات حولہ فی حفظ اللہ ما دام فیھم۔ (مظہری)

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک بندے کی سات پشتوں کی حفاظت کرتا ہے۔ ان اللہ نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین۔

۱۴۳ اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ایک امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے تینوں واقعات کے متعلق حضرت خضر نے جو توجیہات پیش کی ہیں ان میں سے پہلی توجیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا فاردت ان اعیبھا میں نے یہ ارادہ کیا کہ کشتی کو عیب دار بنا دوں۔ دوسری توجیہ میں فرمایا فاردنا ہم نے یہ ارادہ کیا۔ اور تیسری میں فرمایا فاراد ربک آپ کے رب نے یہ ارادہ فرمایا۔ اسلوبِ بیان کے اس تفاوت کی وجہ کیا ہے؟

اس کے متعلق مختصر گزارش یہ ہے کہ اگرچہ خیر و شر، نفع و ضرر ہر چیز کا خالقِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے لیکن اہل ادب و عرفان کا طریقہ یہ ہے کہ خیر و نفع کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور جب شر اور ضرر کے ذکر کا موقع آتا ہے تو اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارشاد ہے فاذا مرضت فھو یشفین جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے شفا بخشتا ہے۔ بیماری کی اضافت اپنی طرف کی اور صحت کی اس کی طرف۔ حالانکہ بیمار کرنے والا بھی وہی ہے۔ اسی طرح یہاں کشتی توڑنے کی وجہ بتائی تو فاردت کہہ کر اس کی نسبت اپنی طرف کی۔ کیونکہ کشتی توڑنا مذموم ہے اور جب دیوار درست کرنے کی وجہ بتائی تو اس کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کی فاراد ربک کیونکہ وہ خیرِ محض ہے۔ اور قتلِ غلام کے دو پہلو تھے۔ خیر اس لیے کہ اس کے والدین کو نافرمان بیٹے کے عوض میں نیک اولاد دی جا رہی ہے۔ اور شر اس لیے کہ بظاہر ایک معصوم بچے کو قتل کیا جا رہا ہے اس لیے فاردنا جمع کا صیغہ استعمال کیا تاکہ خیر کے پہلو کی نسبت ذاتِ خداوندی کی طرف ہو جائے اور شر کا پہلو اپنی طرف منسوب کر دیا۔ علامہ بدرالدین الزرکشی نے اسی توجیہ کو زیادہ پسند فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔ لما اراد ذکر العیب للسفینۃ نسبہ لنفسہ ادبا مع الربوبیۃ فقال اردت ولما کان قتل الغلام مشترک الحکم بین المحمود والمذموم استتبع نفسہ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ؕ ﴿۸۳﴾

اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے ذی القرنین کے متعلق ؏ فرمائیے میں ابھی بیان کرتا ہوں تمہارے سامنے اس کا حال۔

مع الحق فقال في الاخبار بنون الاستتباع ليكون المحمود من الفعل وهو راحة ابويه المؤمنين من كفره. عائدًا على الحق بجنسه والمذموم ظاهرًا وهو قتل الغلام بغير حق. عائدًا اليه. وفي اقامة الجدار كان خيرا محضا فنسبه للحق. فقال فاراد ربك ثم بين ان الجميع من حيث العلم انما هو من الحق بقوله وما فعلته عن امري (البرهان في علوم القرآن الزركشي جلد ۴ صفحہ ۹۰)

؏ یہود کی انگیخت پر مشرکین عرب نے حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو تین سوالات کیے تھے ان میں آخری سوال ذی القرنین کے متعلق تھا۔ یہ رکوع تقریبًا اسی سوال کے جواب پر مشتمل ہے۔ اس رکوع کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے چند امور کا تصفیہ ضروری ہے:۔ (۱) ذی القرنین کون تھا؟ (۲) اس کے تین جنگی سفر کن سمتوں میں تھے۔ اور ان سفروں کے نتائج کیا تھے؟ (۳) وہ سد کہاں ہے (دیوار یا بند) جو ذی القرنین نے تعمیر کی تھی۔ (۴) یاجوج ماجوج سے مراد کون سی قوم ہے۔

کیونکہ سکندر مقدونی اپنی فتوحات کی وجہ سے عالمگیر شہرت حاصل کر چکا تھا اس لیے کئی مفسرین کا یہ خیال ہے کہ ذی القرنین سے مراد سکندر ہے لیکن آیاتِ قرآنی اس نظریہ کی تصدیق نہیں کرتیں۔ کیونکہ سکندر یونان کا باشندہ تھا اور اہلِ یونان سب بُت پرست تھے اور یہی مذہب سکندر کا تھا۔ حالانکہ قرآن کریم میں ذی القرنین کے متعلق صراحتًا مذکور ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا تھا اس کا اپنی رعایا اور اپنی مفتوحہ اقوام کے ساتھ جو سلوک تھا اس میں ایک سچے مومن کا جذبۂ شفقت و اخلاص صاف دکھائی دے رہا ہے۔ اس لیے قرآن میں مذکور ذی القرنین سے سکندر مقدونی مراد نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ دینا کہ سکندر مسلمان تھا اس وقت تک قابلِ اعتنا نہیں جب تک نہ ثابت کر دیا جائے کہ اس نے اپنے آبائی اور قومی مشرکانہ عقاید کو ترک کر کے توحید کا عقیدہ قبول کر لیا تھا۔ اس قسم کے اقوال کی وجہ سے دشمنانِ اسلام کو قرآن پر زبانِ طعن دراز کرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ علماء اسلام کا یہ فرض ہے کہ اپنی تحقیقات اور تجسس سے قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات کی ایسی وضاحت کریں کہ مخالف اپنا منہ لے کر رہ جائے۔

ذی القرنین کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد رقمطراز ہیں کہ پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا قدیم کتابوں میں ذی القرنین کا لفظ کہیں استعمال ہوا ہے اور اگر ہوا ہے تو ان کے نزدیک اس سے مراد کون ہے۔ پھر یہ دیکھنا ہے کہ اس ذی القرنین میں وہ صفات پائی جاتی ہیں جو قرآن کریم نے ذکر کی ہیں۔ اور کیا وہ کارنامے اس سے صادر ہوئے جنہیں قرآن نے اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ جیسے کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ سوال یہود کی طرف سے اہلِ مکہ کو سکھایا گیا تھا کہ وہ حضورؐ سے پوچھیں کہ ذی القرنین کون ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص یہود کے نزدیک اس لقب

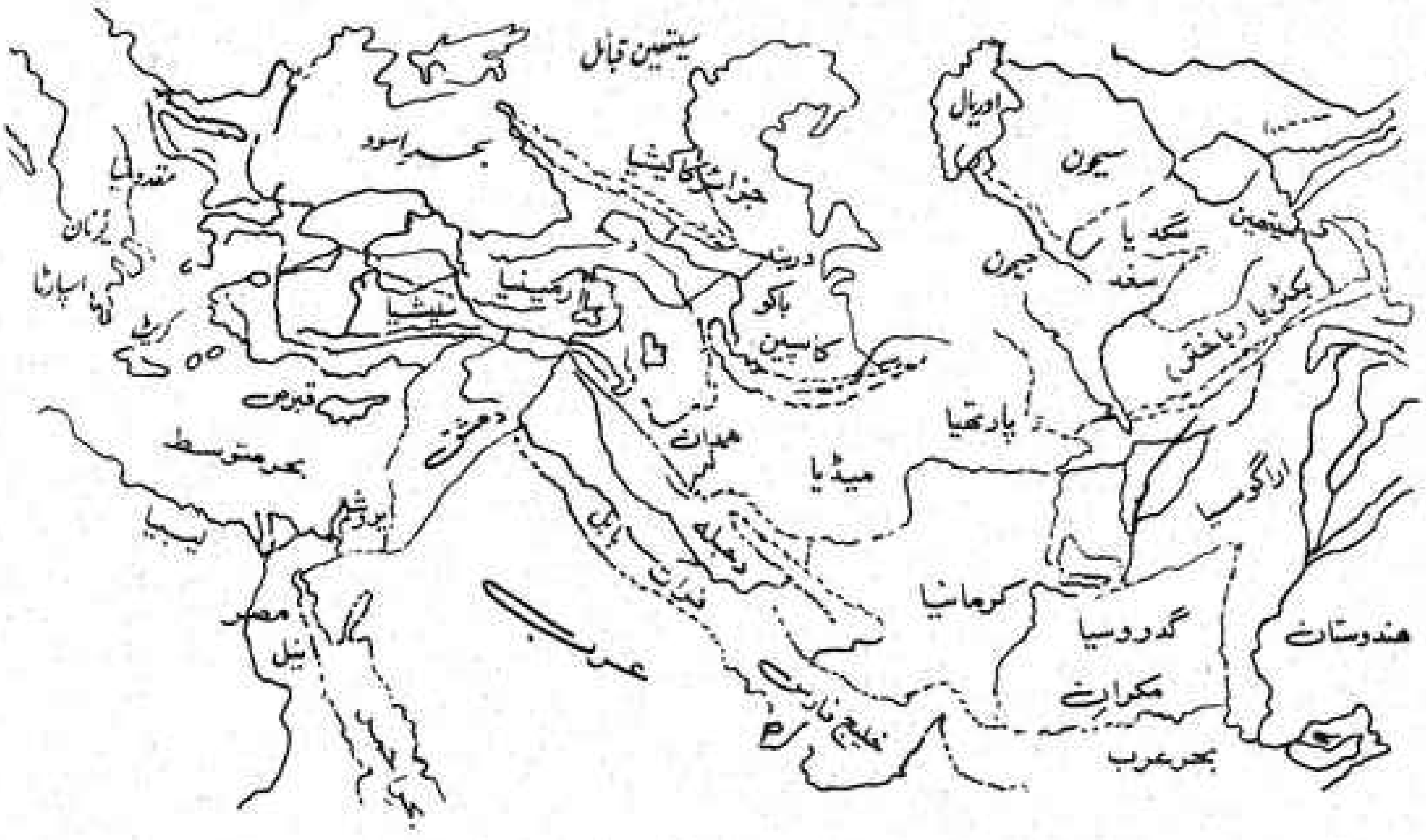

نقشہ ۱ بسلسلہ قصہ ذو القرنین

سے معروف تھا۔ اس کے متعلق ہمیں دانیال کی کتاب کے آٹھویں باب میں یہ آیتیں ملتی ہیں حضرت دانیال اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

" تب میں نے آنکھ اٹھا کر نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ دریا کے پاس ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں۔ اسی باب کی بیسویں آیت میں اس کی تعبیر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

جو مینڈھا میں نے دیکھا اس کے دونوں سینگ مادی (میڈیا) اور فارس کے بادشاہ ہیں اور وہ جسیم بکرا یونان کا بادشاہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مادی (میڈیا) اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور ان دونوں کے فرمانروا کو مینڈھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب بخت نصر نے ہیکل کو برباد کیا تھا۔ بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی اور بنی اسرائیل کو قیدی بنا کر بابل لے آیا تھا اور ان کی جمعیت ختم کرنے کے لیے بھیڑ بکریوں کی طرح انہیں لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ حضرت دانیال نبی بھی اسیروں میں تھے۔ آپ کو خواب میں بنی اسرائیل کی رہائی کی خوشخبری دی گئی تھی کہ دو سینگوں والا مینڈھا کھڑا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد سائرس (SERUS) فارس کا حکمران بنا اور اس نے کچھ عرصہ بعد میڈیا کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور اسی کے حکم سے بنی اسرائیل کو آزادی نصیب ہوئی اور اسی کی کوشش اور حکم سے ہیکل کی دوبارہ تعمیر ہوئی جس طرح سورۃ بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ پہلے تو یہ صرف گمان تھا کہ اس خواب کی وجہ سے یہود سائرس کو ذی القرنین (سینگوں والا) کے لقب سے ذکر کرتے ہیں لیکن ۱۸۳۸ء کے ایک انکشاف نے اس قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہ سائرس کا لقب ذی القرنین تھا اور یہ محض یہودیوں کا کوئی مذہبی تخیل نہ تھا بلکہ خود سائرس کا اور باشندگان فارس کا مجوزہ اور پسندیدہ نام تھا۔ یہ سائرس کی ایک سنگی تمثال ہے جو اصطخر کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی۔ اس میں سائرس کے دونوں طرف عقاب کے پر بھی ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ میڈیا اور فارس کا شہنشاہ ہونے کے باعث سائرس ذوالقرنین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

اور ہو سکتا ہے کہ دانیال کے خواب سے ہی سائرس کو یہ لقب اختیار کرنے کا خیال پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ فارس کے بادشاہوں کو بنی اسرائیل کے انبیاء سے بڑی عقیدت تھی۔ سائرس نے بابل کو فتح کیا تو بنی اسرائیل کی اسیری اور جلاوطنی کے دن ختم ہوئے اور اس نے ان کو فلسطین واپس جانے اور ہیکل کو از سر نو تعمیر کرنے کی اجازت دی اور ہیکل کے سونے چاندی کے جو برتن بخت نصر لوٹ کر لایا تھا اور انہیں اپنے خزانے کی زینت بنایا تھا سائرس نے حکم دیا کہ وہ بھی بنی اسرائیل کو واپس دیے جائیں اور پہلے کی طرح ہیکل میں داخل کیے جائیں۔ سائرس کا بچپن بڑی گمنامی کی حالت میں گزرا۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں سارا وقت بسر ہوا۔ قدرت نے گوشہ گمنامی سے اٹھایا اور فارس کا تاجدار بنا دیا۔ تھوڑے عرصہ میں ہی اس نے سب سے بڑی اور مضبوط حکومت میڈیا کو مغلوب

کر لیا۔ بابل کو اپنی قلمرو میں داخل کر لیا جس سے اس کی شہرت بام عروج پر پہنچی اور اس کی عظمت سے دل تھرانے لگے۔ یہی وہ چیز ہے جسے قرآن نے انا مکنا له فی الارض کے جامع الفاظ سے بیان فرمایا۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ذوالقرنین کی جن تین مہموں کا قرآن نے ذکر کیا ہے کیا ان کی راہنمائی سائرس نے کی اس کی ایک مہم مغرب الشمس کی طرف دوسری مطلع الشمس کی طرف۔ تیسری ایک ایسے مقام کی طرف جہاں کوئی وحشی قوم آباد تھی اور یاجوج و ماجوج آکر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔

سائرس کے مورخین بتاتے ہیں کہ جب اس نے میڈیا کو فتح کر کے اپنی سابقہ مملکت فارس کے ساتھ ملا لیا تو اس کے فوراً بعد ایشیائے کوچک کی ایک ریاست جو لیڈیا کے نام سے مشہور تھی۔ اس کے بادشاہ کروسیس نے اس پر حملہ کر دیا۔ اور صلح کے تمام ان معاہدات کو بالائے طاق رکھ دیا جو کروسیس اور سائرس کے باپ کے درمیان ہوئے تھے۔ سائرس مقابلہ پر مجبور ہو گیا اور اپنے حریف کو جنگ میں شرمناک شکست دی اور لیڈیا کی ساری حکومت پر قابض ہو گیا۔ اب تمام ایشیائے کوچک بحر شام سے لے کر بحر اسود تک اس کے زیر نگین تھا۔ وہ برابر بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ مغربی ساحل پر پہنچ گیا۔ اس نے فارس سے لے کر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ لیکن سمندر نے اس کی پیشقدمی روک دی۔ اس نے بصد حسرت نگاہ اٹھا کر دیکھا تو حد نظر تک پانی ہی پانی تھا اور سورج اسکی لہروں میں ڈوب رہا تھا۔ ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل چھوٹی چھوٹی خلیجوں کا مجموعہ ہے۔ اور سمندر کم گہرا ہونے کی وجہ سے پانی گدلا ہے۔ اسی کو قرآن نے ان الفاظ سے بیان فرمایا وجدها تغرب فی عین حمئة "اگرچہ سورج تو اپنی آسمانی مدار میں متحرک رہتا ہے اور کہیں ڈوبتا نہیں لیکن سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر غروب آفتاب کا نظارہ کرنے والے کو کیا یہ دکھائی نہیں دیتا کہ سورج آہستہ آہستہ پانی کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے کے لیے نیچے اتر رہا ہے۔ جس قوم سے سائرس کو وہاں واسطہ پڑا تھا وہ قوم تھی جنہوں نے کروسیس کی سرکردگی میں اس پر حملہ کیا تھا اور اس کا تاج و تخت چھیننے کی کوشش کی تھی۔ وہ لوگ اس کے قبضہ میں تھے جس طرح چاہتا ان کے ساتھ برتاؤ کر سکتا تھا۔ لیکن سائرس کے مورخین یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ اس نے قطعاً کسی پر زیادتی نہیں کی بلکہ اس نے اپنی حملہ آور فوج کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ دشمن کے سپاہی کے سوا کسی پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ اور اگر وہ بھی نیزہ جھکا دے تو اس سے بھی تعرض نہ کرنا۔ قرآن کے بیان سے بھی مورخین کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے واما من آمن له سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ خود مومن تھا اور نیک اعمال کا قدردان تھا۔

اس کی دوسری مہم مشرق کی جانب تھی جبکہ مملکت کے مشرقی اطراف میں بعض خانہ بدوش قبائل نے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی تو اس کو فرو کرنے کے لیے اسے مشرق کا رخ کرنا پڑا۔ اور وہ بلخ اور باختر کے قبائل کی سرکوبی کے لیے بڑھا سب کو مطیع بنایا۔ آگے پہاڑوں کا طویل اور اونچا سلسلہ تھا۔ اس کے باعث آگے بڑھنے کے لیے کوئی راستہ نہ تھا۔ لم نجعل لهم من دونها سترا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ باغی قبیلہ صحرا نورد تھا۔ قلعوں اور

محلات کا تو ذکر ہی کیا وہاں کوئی باقاعدہ بستی ہی نہ تھی جہاں مکانات تعمیر کیے جاتے اور ان میں رہائش کی جاتی۔ کبھی درختوں کے کسی جھنڈ کی آڑ میں وقت بسر کر لیا۔ کبھی کوئی معمولی سا خیمہ تان لیا۔ دھوپ وغیرہ سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی معقول انتظام نہ تھا۔

تیسری مہم: اس مہم کے متعلق قرآن نے بتایا کہ ذوالقرنین دو پہاڑوں کے درمیانی درّہ تک پہنچا تو وہاں اسے ایک قوم ملی جو ان کی بولی سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سدین سے مقصود کاکیشیا کا پہاڑی درّہ ہے۔ اس کے داہنی طرف بحرِ خزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روکی ہوئی ہے۔ بائیں جانب بحرِ اسود ہے جو شمال مغرب کے لیے قدرتی رکاوٹ ہے۔ درمیانی علاقہ میں اس کا سربفلک سلسلہ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے۔ اس درمیانی درّے کے علاوہ شمالی قبائل کے لیے اِدھر آنے کا کوئی راستہ نہیں تھا اور یقیناً یہیں سے یاجوج و ماجوج آکر ان پر حملہ کرتے اور ان کے علاقہ کو تاخت و تاراج کیا کرتے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک سد (بند) تعمیر کر کے ان کا راستہ بند کر دیا گیا۔ جو لوگ اس علاقہ میں آباد تھے اور آئے دن یاجوج ماجوج کے حملوں سے ان کا امن برباد ہوتا رہتا تھا۔ انھوں نے ہی سائرس سے التجا کی ہوگی کہ وہ انھیں اس بلائے بے درماں سے نجات دلائے۔

قرآن کریم کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف مومن ہی نہ تھا بلکہ بڑا فیاض اور رعایا کا ہمدرد اور خیر خواہ بادشاہ بھی تھا۔ ہمیں اس کے ایمان کے متعلق مطمئن ہونے کے لیے کسی بڑی کدو کاوش کی ضرورت نہیں بلکہ انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں ہی اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ وہ مومن تھا۔ حضرت دانیال کی پیشین گوئی تو آپ پڑھ آئے ہیں اب یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی سنیے:۔

"جو خورس (سائرس) کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے اور میری مرضی بالکل پوری کرے گا اور یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ تعمیر کیا جائے گا اور ہیکل کی بابت کہ اس کی بنیاد ڈالی جائے گی۔ (یسعیاہ باب ۴۴: آیت ۲۸) اسی کتاب کے باب ۴۵ کی پہلی آیت بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

خداوند اپنے ممسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا کہ امتوں کو اس کے سامنے زیر کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا ڈالوں اور دروازوں کو اس کے لیے کھول دوں اور پھاٹک بند نہ کیے جائیں گے۔ یاجوج اور ماجوج کا ذکر قرآن کریم میں دوبارہ آیا ہے۔ ایک یہاں اور دوسرا سورۃ الانبیاء میں۔ یورپ کی زبانوں میں انھیں (GOG AND MAGOG) کہا جاتا ہے یہ کونسی قوم تھی۔ تمام تاریخی قرائن متفقہ طور پر شہادت دیتے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی اور طاقتور قبائل جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چین کے شہنشاہ شین ہوانگ ٹی کو وہ عظیم الشان دیوار بنانی پڑی۔ جو پندرہ سو میل تک چلی گئی ہے اور جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی تعمیر ۲۱۴ ق۔م میں شروع ہوئی۔ اور دس برس میں ختم ہوئی۔ اس نے شمال اور مغرب کی طرف منگولین قبائل کے حملوں کی تمام راہیں

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَأَتْبَعَ

ہم نے اقتدار بخشا تھا اسے زمین میں ۸۲ اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا ساز و سامان ۸۳ پس وہ

سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي

روانہ ہوا ایک راہ پر ۸۴ یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچا تو اس نے اسے یوں پایا گویا وہ ڈوب رہا ہے ایک سیاہ

عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا

کیچڑ کے چشمہ میں اور اس نے وہاں ایک قوم پائی۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین! تمہیں اختیار ہے خواہ تم

مسدود کر دیں۔ اس لیے ان کے حملوں کا رخ پھر وسط ایشیا کی طرف مڑ گیا۔ انھیں کے حملوں کو روکنے کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی۔ شمال مشرق کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب منگولیا کہلاتا ہے۔ لیکن چینی ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا اصلی قدیم نام "موگ" ہے جو چھ سو برس ق م یونانیوں میں میگ اور میگاگ پکارا جاتا تھا۔ اور یہی لفظ عبرانی میں ماجوج ہو گیا۔

آخر میں ہمیں یہ تحقیق کرنا ہے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا محل وقوع کہاں ہے۔ بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد ہے۔ یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کا کیشیا کا سلسلۂ کوہ ختم ہوتا ہے اور بحر خزر سے مل جاتا ہے یہاں ایک دیوار ہے جس کا طول پچاس میل اور اونچائی انتیس فٹ اور موٹائی دس فٹ۔ (انسائیکلوپیڈیا)

اس مقام سے مغرب کی طرف درۂ دانیال جو دو بلند پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار ہے اور اسے آہنی دروازہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے خیال کے مطابق آخری دیوار وہ ہے جو قرآن میں مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (یہ تفصیلات بیشتر مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن سے ماخوذ ہیں)

۸۲ یعنی اسے ملک میں تسلط بخشا اور با اختیار کیا اسے علم، قدرت و آلات وغیرہ مرحمت فرمائے جن سے کام لے کر وہ ہر چیز تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ اس آیت میں سَبَبًا کا معنی مایوصل الیہ من العلم والقدرۃ والآلات۔ (مظہری)

۸۴ یہ اس کی پہلی مہم کی طرف اشارہ ہے جو مغرب الشمس کی طرف تھی۔ جس میں وہ مغربی علاقہ کو فتح کرتا ہوا ایشیائے کوچک کے سمندر کے کنارہ تک جا پہنچا اور سمندر حائل ہونے کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ حمئۃ سیاہ کیچڑ جہاں پانی کم ہو وہاں کا کیچڑ سیاہ اور پانی گدلا ہوتا ہے۔ اس سے بحر اسود کے خلیج نما ساحل کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت میں سببا کا معنی راستہ ہے۔ سَبَبًا یعنی الطریق۔ (مظہری)

اَنۡ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِيۡهِمۡ حُسۡنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ

انھیں سزا دو خواہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو ف۱۰۸ ذوالقرنین نے کہا جس نے ظلم (کفر و فسق) کیا

فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا

تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے پھر اسے لوٹا دیا جائیگا اسکے رب کی طرف تو وہ اسے عذاب دیگا بڑا ہی سخت عذاب۔ اور جو شخص

مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰى‌ ۚ وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ

ایمان لایا اور اچھے عمل کیے تو اس کے لیے اچھا معاوضہ ہے ف۱۰۹ اور ہم اسے حکم دیں گے ایسے احکام

مِنۡ اَمۡرِنَا يُسۡرًا ؕ ﴿۸۸﴾ ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ

بجا لانے کا جو آسان ہوں گے۔ پھر وہ روانہ ہوا دوسرے راستہ پر ف۱۱۰ یہاں تک کہ جب پہنچا طلوعِ آفتاب کے مقام پر تو اس نے

وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰى قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلْ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا ۙ ﴿۹۰﴾

پایا سورج کو کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایسی قوم پر کہ نہیں بنائی ہم نے انکے لیے سورج (کی گرمی) سے بچنے کی آڑ ف۱۱۱

ف۱۰۸ اگر وہ نبی تھا جیسے بعض کا خیال ہے تو یہ ارشاد بذریعہ وحی ہوگا ورنہ کسی دوسرے نبی کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے اجازت مرحمت کی جا رہی ہے کہ اس مفتوحہ قوم سے جو مناسب برتاؤ چاہے کرے۔

ف۱۰۹ اس نے اپنی نیک نفسی کی وجہ سے ان کے پہلے تمام قصوروں کو معاف کر دیا اور آئندہ کے لیے انھیں متنبہ کر دیا۔ اس کے اس کردار سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ سکندر رومی نہ تھا۔ کیونکہ سکندر کے متعلق انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ اس نے اپنے باپ فلپ کے مرنے کے بعد اپنے معصوم ننھے سوتیلے بھائی کو جو قلوپطرا کے بطن سے تھا قتل کرا دیا اور اسی طرح اپنے چچا زاد بھائی منتاس کو بھی اس نے مروا ڈالا تھا۔ نیز اس کے متعلق یہ بھی گمان کیا جاتا ہے کہ اس کے باپ کے قتل میں بھی اس کا ہاتھ تھا۔ جلد ۱ صفحہ ۵۶
ایسے شخص سے ایسے بلند کردار کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

ف۱۱۰ یہاں سے اس کی دوسری مہم جو مطلع الشمس کی طرف تھی کا بیان ہے۔

ف۱۱۱ خانہ بدوش قوم جس نے اپنے لیے مکانات وغیرہ بنانے کی زحمت تک گوارا نہیں کی تھی یعنی تہذیب و تمدن سے بالکل بیگانے اور اپنی وحشی زندگی پر مطمئن بلکہ مسرور۔

كَذٰلِكَ ۖ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰٓى

بات یونہی ہے۔ اور ہم نے احاطہ کر رکھا ہے ہر اس چیز کا جو اس کے پاس تھی اپنے علم سے۔ پھر روانہ ہوا ایک اور راہ پر ۱۱۲۔ یہاں تک

اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ

جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے درمیان تو پایا اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک قوم کو جو نہیں سمجھ سکتے تھے (اپنی)

يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ

کوئی بات۔ انھوں نے کہا اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج نے

مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ

بڑا فساد برپا کر رکھا ہے اس علاقہ میں ۱۱۳ تو کیا ہم مقرر کر دیں آپ کے لیے کچھ خراج تاکہ آپ بنا دیں ہمارے

تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ

درمیان اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار۔ وہ بولا وہ دولت جس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے ۱۱۴

بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ ۙ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى

پس تم میری مدد کرو جسمانی مشقت سے میں بنا دوں گا تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط آڑ۔ تم لے آؤ میرے پاس لوہے کی چادریں (چنانچہ کام

۱۱۲ تیسری مہم کا ذکر ہے۔ سَدّ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان آڑ کا کام دے اسی مناسبت سے پہاڑ کو بھی سَدّ کہتے ہیں۔ السد: الحاجز بین الشیئین الجبل (منجد)

۱۱۳ وہاں کے لوگوں نے ذوالقرنین کو اپنی داستانِ غم سنائی اور اسے بتایا کہ یہ وحشی اور درندہ صفت قبائل آئے دن ان کی مٹی پلید کرتے رہتے ہیں۔ انھوں نے بادشاہ کے سامنے ایک مضبوط دیوار بنانے کی درخواست کی اور ہر طرح مالی امداد دینے کا وعدہ کیا۔

۱۱۴ اس کی عالی ظرفی کا ایک اور ثبوت ملاحظہ فرمایئے۔ اس نے ان لوگوں کو کہا مجھے تمہاری مالی امداد کی ضرورت نہیں۔ مجھے میرے رب نے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ ہاں جو جسمانی کام تم کر سکتے ہو وہ ضرور کرو۔ خرج اور خراج ہم معنی ہیں۔ ردماً۔ مضبوط دیوار کو کہتے ہیں۔

اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ

شروع ہو گیا یہاں تک کہ جب ہموار کر دیا گیا وہ خلا ۱۵۵ جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا تو اسے حکم دیا دھونکو یہاں تک کہ جب لوہا آگ بنا دیا

قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ

تو اس نے کہا لے آؤ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا کہ میں ڈالوں اس پگھلے ہوئے لوہے پر اتاردوں۔ سو یاجوج ماجوج بڑی کوشش کے باوجود

مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ

سر نہ کر سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے ۱۵۶ ذوالقرنین نے کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے مجھے یہ توفیق بخشی) اور جب آجائیگا

وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَکَّآءَ ۚ وَکَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ؕ ﴿۹۸﴾ وَتَرَکْنَا

میرے رب کا وعدہ تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا۔ اور میرے رب کا وعدہ (ہمیشہ) سچا ہوا کرتا ہے اور ہم واگزار کر دیں گے

بَعْضَهُمْ یَوْمَئِذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ

بعض کو اس دن کہ وہ (تند موجوں کی طرح) دوسروں میں گھس جائیں گے اور صور پھونکا جائیگا تو ہم سب کو اکٹھا کر

جَمْعًا ۙ ﴿۹۹﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ یَوْمَئِذٍ لِّلْکٰفِرِیْنَ عَرْضًا ۙ ﴿۱۰۰﴾ الَّذِیْنَ

دیں گے۔ اور ہم ظاہر کر دینگے جہنم کو اس دن کفار کے لیے بالکل عیاں۔ وہ کافر

۱۵۵ ان دو پہاڑوں کے درمیان جو درّہ تھا اس میں لوہے کی چادریں بھر دی گئیں۔ پھر اس پر آگ جلائی گئی یہاں تک کہ وہ لوہا پگھل گیا پھر اس پر تانبا پگھلا کر ڈال دیا گیا چنانچہ لوہے اور تانبے کی ایک ایسی دیوار بن گئی جس کو گرا دینا یا اسکو پھاندنا یا اسمیں نقب لگانا انکے لیے ناممکن ہو گیا۔ صدف کا معنی ہے بلند و مضبوط عمارت قال ابو عبید: الصدف کل بناء عظیم مرتفع (قرطبی) یہاں صدفین سے دو پہاڑ مراد ہیں جنکے درمیان خلا ہو۔ قطر کا معنی ہے پگھلا ہوا تانبا۔ والقطر عند اکثر المفسرین النحاس المذاب وقیل الحدید المذاب وقیل الرصاص المذاب (قرطبی) ۱۵۶ ذوالقرنین نے ان کی خواہش کے مطابق ایسی مضبوط اور بلند دیوار تعمیر کر دی جسکو عبور کرنا یاجوج ماجوج کیلئے مشکل ہو گیا انھوں نے اسکو پھاندنے یا اسکو گرانے کے جتنے جتن کیے اسمیں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر میں اس حقیقت کی طرف انھیں توجہ دلائی کہ یہ دیوار اسی وقت تک تمھیں ان وحشیوں کی دست برد سے بچا سکتی ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی رضی ہو گی اور جب اس کے نزدیک اس کی میعاد ختم ہو گئی اور انکے خروج کا وقت آ گیا تو یہ مضبوط دیوار ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

جن کی آنکھوں پر پردے پڑے تھے میری یاد سے اور جو (کلمۂ حق) سن بھی نہیں سکتے

سَمْعًا ﴿١٠١﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ

تھے کیا گمان کرتے ہیں کفار کہ وہ بنا لیں گے میرے بندوں کو میرے بغیر

دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ

اپنا حمایتی ١١٧ (یہ ناممکن ہے) بےشک ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو کفار کی رہائش کے لیے۔ فرمائیے (اے لوگو) کیا

نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي

ہم مطلع کریں تمھیں ان لوگوں پر جو اعمال کے لحاظ سے گھاٹے میں ہیں ١١٨ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیوی زندگی کی

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ اُولٰۗىِٕكَ

آرائش میں کھو کر رہ گئی۔ اور وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ کوئی بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں ١١٩ یہی وہ (بدنصیب)

١١٧ جو معبود برحق کو چھوڑ کر کسی اور کو رب بناتے ہیں ان سے بڑھ کر ناسمجھ اور بدبخت اور کون ہو سکتا ہے۔

١١٨ کیا تم یہ دریافت کرنا چاہتے ہو کہ اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارہ اور نقصان میں کون لوگ ہیں۔ آؤ میں تمھیں بتاتا ہوں۔ وہ لوگ جو دن رات دنیا کے حصول کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں ان کی زندگی کا بس ایک ہی مقصد ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کی جائے۔ مکانات و محلات تعمیر کیے جائیں۔ دنیا میں مناصبِ عالیہ پر فائز ہوں انھیں کبھی اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کا خیال ہی نہیں آیا۔ انھیں اپنی موت کو یاد کرنے کی کبھی فرصت ہی نہیں ملی۔ ضل سعیهم کے الفاظ کتنے معنی خیز ہیں کہ ان کی توانائی کا ایک ایک قطرہ متاعِ دنیا کے حصول میں ضائع ہو کر رہ گیا ہے۔ اور اس کشاکش میں وہ تھک کر چور ہو گئے ہیں۔ اُخروی سعادت کے حصول کے لیے ان میں اب ذرا ہمت نہیں۔ خود غور فرمائیے طالبانِ دنیا کا یہ کتنا صحیح نقشہ ہے۔

١١٩ اس کے باوجود انھیں اپنے کیے پر کوئی ندامت نہیں بلکہ اپنی قابلیت پر نازاں ہیں اور اپنی جدوجہد کے ان نتائج پر بالکل مطمئن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یاد سے روگردانی کر کے جو نقصانِ عظیم انھوں نے اٹھایا اس کا انھیں احساس تک بھی نہیں رہا۔

الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ

ہیں جنھوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور اس کی ملاقات کا ۱۲۰ تو ضائع ہو گئے ان کے اعمال ۱۲۱ تو ہم ان (کے اعمال)

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا

تولنے کے لیے روزِ قیامت کوئی ترازو نصب نہیں کریں گے۔ یہ ہے ان کی جزا جہنم۔ اس وجہ سے کہ انھوں نے

وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

کفر کیا اور میری آیتوں اور رسولوں کو مذاق بنا لیا۔ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل (بھی) کرتے رہے

كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ

تو فردوس کے باغات ان کی رہائش گاہ ہوں گے ۱۲۲ وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں (اور) نہیں چاہیں گے کہ

۱۲۰ آخرت کی فکر تو یہ تب کرتے اگر اخروی زندگی پر ان کا ایمان ہوتا! انھوں نے تو اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا ہے کہ ایک روز ان کی ملاقات اپنے رب سے ہونے والی ہے! اور ان سے ان کے اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔

۱۲۱ ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ قیامت کے دن جب وہ پا بجولاں پیش کیے جائیں گے تو ان کے دفترِ عمل میں کوئی ایسی نیکی نہیں ہوگی جس کا وزن کیا جا سکے اس کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ بڑے فربہ اور جسیم دنیادار مٹکتے آئیں گے اور وہ اس غلط فہمی کا شکار ہوں گے کہ آج کے دن بھی وہ سرخرو ہوں گے اور معزز و محترم قرار پائیں گے لیکن جب ان کو تولنے کے لیے ایک پلڑے میں رکھا جائیگا تو ان کی بے مائیگی ظاہر ہو جائے گی۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ طاقتور سخت مزاج اور پیٹو کو جب میزان میں رکھا جائیگا تو اس کا وزن بال کے برابر بھی نہیں ہوگا عن ابی ھریرۃ انہ قال القوی الشدید الاکول یوضع فی المیزان فلا یزن شعرۃ۔ وزن کا معنی یہاں میزان بھی لیا گیا ہے یعنی ہم ان کے اعمال تولنے کے لیے کوئی ترازو نصب نہیں کریں گے او المعنی لا نضع لھم میزانا یوزن بہ اعمالھم لاحباطھا۔ (مظہری)

۱۲۲ ان کے برعکس اہلِ ایمان جن کا صحیفۂ عمل حسنات و طاعات سے جگمگا رہا ہوگا ان کی میزبانی کے لیے جنت الفردوس کو آراستہ کیا جائے گا۔ وہاں انھیں رہنے کے لیے ایسے محلات دیے جائیں گے جہاں سے وہ نکالے نہیں جائیں گے بلکہ وہ ہمیشہ وہاں کی لذت و سرور سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ نُزُلٌ کا معنی مہمان کی تواضع کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اسے بھی نُزُل کہا جاتا ہے لیکن اس کا ایک دوسرا معنی منزل بھی ہے اور یہاں یہی زیادہ مناسب ہے۔

عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ

وہ اس جگہ کو بدل لیں۔ (اے حبیب!) آپ فرمائیے کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی میرے رب کے کلمات لکھنے کیلیے تو ختم ہو جائیگا

قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَا اَنَا

سمندر اس سے پیشتر کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات ۱۲۳؎ اور اگرچہ ہم لے آئیں اتنی اور روشنائی اسکی مدد کو (تب بھی ختم نہ ہونگے) (اے پیکر رعنائی و

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ

زیبائی) آپ فرمائیے کہ میں ظاہری بشر ہی ہوں ۱۲۴؎ تمہاری طرح ۱۲۵؎ وحی کیجاتی ہے میری طرف کہ تمہارا خدا صرف اللہ وحدہٗ ہے پس جو شخص امید

النزل بضمتین المنزل عن الزجاج والنزل ایضاً ما ھیّئ للضیف۔

۱۲۳؎ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی آیات بینات کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی بے پایانی کا مفہوم ذہن نشین کرانے کے لیے کتنا مؤثر اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ سارے سمندر اگر سیاہی بن جائیں اور اس سیاہی سے اس کی قدرت و حکمت کی آیات کو لکھنا شروع کیا جائے تو سارے سمندر خشک ہو جائیں گے لیکن ان آیات کا احاطہ نہیں ہو سکے گا بلکہ اگر مزید سات سمندر سیاہی بنا دیئے جائیں تب بھی یہ مضمون تشنہ ہی رہے گا۔ دانائے شیراز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی حد تک خوب فرمایا ہے :۔ ؎

دفترِ تمام گشت و بپایاں رسید عمر ٭ ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

۱۲۴؎ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بے ہمتا کا ادراک انسان کے بس کا روگ نہیں نہ اس کے ظاہری حواس میں یہ تاب ہے اور نہ اس کے باطنی حواس میں یہ قوت ہے کہ اس کی حقیقت کو پہچان سکیں۔ عقلِ انسانی اپنی ترکتازیوں اور بلند پروازیوں کے باوجود اس کی عظمتوں کے سامنے سرنگوں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا بجز اس کے اور کوئی طریقہ نہیں کہ ان آیاتِ بینات میں غور و فکر کیا جائے جہاں اس کی قدرت، عظمت، حکمت و کبریائی کے جلوے چمک رہے ہیں۔ ان آیات میں جہاں پانی کا قطرہ، ریت کا ذرہ، درخت کا پتہ، زمین کی رنگین وسعتیں، آسمانوں کی ہوشربا رفعتیں، مہر و ماہ کی خیرہ کن ضیا پاشیاں ہیں وہاں نبی کی ذات بھی ایک ایسا آئینہ ہوتی ہے جہاں دیدۂ بینا کو قدرتِ الٰہی کے ایسے جلوے نظر آتے ہیں جو اور کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ خصوصاً وہ ذاتِ اقدس و اطہر جو تجلیاتِ احسانیہ اور انوارِ رحمانیہ کی ایسی تجلی گاہ ہے کہ عرشِ عظیم کو بھی اس سے کوئی نسبت نہیں۔ جس کسی کے نیاز آگیں دل اور محبت بھری آنکھوں نے حسنِ مصطفوی کو جتنا جانا، جس قدر پہچانا اور جس قدر چاہا اتنا ہی اسے عرفانِ خداوندی نصیب ہوا۔

لیکن ہر انسان کا مزاج یکساں نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اتنے اکھڑ اور بد دماغ ہوتے ہیں کہ وہ حسن و جمال کے ان

پیکروں کے لیے اپنے دل میں قطعاً کوئی کشش محسوس نہیں کرتے بلکہ ان سے نفرت کرتے ہیں اور انھیں حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ان کے برعکس بعض طبیعتیں اتنی غلط اندیش اور ان کی عقلیں اتنی اوندھی ہوتی ہیں کہ جہاں کہیں کمال کی ذرا سی جھلک بھی۔ اسے اپنا معبود اور خدا بنا لیا اور اس کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ یہودیوں نے حضرت عزیر کو فقط اس لیے خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا کہ انھیں تورات نوک بر زبان تھی۔ حضرت عیسیٰؑ نے چند معجزات دکھائے تو لوگوں نے انھیں کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ اس غلط فہمی کا سدِباب کرنے کے لیے ہر نبی نے جہاں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی اور اس کی صداقت ثابت کرنے کے لیے اپنے خداداد کمال کا اظہار فرمایا وہاں کھلے اور واضح انداز میں یہ تصریح بھی کر دی کہ وہ باایں ہمہ کمال و خوبی خدا نہیں بلکہ خدا کے بندے ہیں۔ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں۔ معبود نہیں بلکہ عابد ہیں۔ جب جزوی کمالات سے ایسی غلط فہمیاں پیدا ہوں جن کی گرفت میں آج بھی بے شمار لوگ پھنسے رہے ہیں تو وہ ذاتِ اقدس جو جمال و کمال کا مظہر اتم بنائی گئی اس کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہ تھا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ اس غلط فہمی کے سارے امکانات ختم کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو تمام کمالات علی وجه الاتم متصف کرنے کے باوجود اس آیت میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰھکم الٰہ واحدٌ۔

علمائے سلف نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اظہارِ تواضع کے لیے یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس فتنے کو روزِ اول سے ہی ختم کر دیا جائے۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ قال ابن عباس علم اللّٰہ تعالیٰ عزوجل رسوله صلی اللّٰہ علیه وسلم التواضع لئلا یزھی علی خلقه . . . قلت فیه سد لباب الفتنة افتتن بها النصاریٰ حین رأوا عیسیٰ یبرئ الاکمه والابرص ویحیی الموتیٰ وقد اعطی اللّٰہ تعالیٰ لنبینا صلی اللّٰہ علیه وسلم من المعجزات اضعاف ما اعطی عیسیٰ علیه السلام فامره باقرار العبودیة وتوحید الباری لاشریك له۔

صاحبِ کمال کا اظہارِ تواضع بھی اس کا کمال ہوتا ہے لیکن بعض کج فہم اور حقیقت ناشناس لوگ اس آیت کو کمالاتِ نبوت کے انکار کی دلیل بناتے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نبی مکرم رسولِ معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ رفیع کے متعلق کچھ بتایا جائے۔

ایک روز صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ متی وجبت لك النبوة حضور آپ کو خلعتِ نبوت سے کب سرفراز فرمایا گیا؟ حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا وآدم بین الروح والجسد مجھے اس وقت شرفِ نبوت سے مشرف کیا گیا جب کہ آدم علیہ السلام کی نہ ابھی روح بنی تھی اور نہ جسم (رواہ الترمذی وصححه وقال انه حسن غریب) نبوت صفت ہے اور موصوف کا صفت سے پہلے پایا جانا ضروری ہے۔ اب خود ہی فیصلہ فرمایئے جو موصوف اپنی صفت نبوت سے متصف ہو کر آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھا اس کی حقیقت کیا تھی۔ ابن تیمیہ

وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ کنت نبیا و آدم بین الماء والطین اور کنت نبیا ولا آدم ولا ماء ولا طین لا اصل لھما کہ ان دو حدیثوں کا کوئی اصل نہیں ہے۔ علامہ خفاجی ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں کو موضوع یا بے اصل کہنا درست نہیں کیونکہ امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث بلا شبہ صحیح ہے۔ اور یہ دونوں روایتیں اس کی ہم معنی ہیں۔ اس لیے ان کو موضوع کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے جبکہ روایت بالمعنی محدثین کے نزدیک جائز ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں تخلیق آدم سے پہلے علم الٰہی میں نبی تھا۔ کیونکہ اس میں پھر حضور کی کوئی خصوصیت نہ ہوگی بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے پہلے اپنے حبیب کی روح کو پیدا فرمایا۔ اور اسی وقت خلعت نبوۃ سے سرفراز کیا اور ملاء اعلیٰ کو اس حقیقت پر آگاہ کر دیا بل ان اللہ خلق روحہ قبل سائر الارواح وخلع علیھا خلعۃ التشریف بالنبوۃ اعلاما للملاء الاعلیٰ بہ چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے یسبح ذالک النور وتسبح الملائکۃ بتسبیحہ کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہتا اور سارے فرشتے حضور کی تسبیح سن کر اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے :-

گر ز خورشید جمال یار گشتے راہ نموں • از شب تاریک غفلت کس نبردے راہ بروں

ابن قطان نے اپنی کتاب ' الاحکام ' میں حضرت امام علی زین العابدین سے انھوں نے اپنے پدر بزرگوار حضرت سیدنا امام حسین سے انھوں نے ان کے جد امجد حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے قال کنت نورا بین یدی ربی قبل خلق آدم باربعۃ عشر الف عام یعنی میں نور تھا اور آدم علیہ السلام کی آفرینش سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے رب کریم کے حریم ناز میں باریاب تھا۔

اس حدیث کے آخری تین راوی ائمہ اہل بیت سے ہیں۔ ان کا علم و فہم اور تقویٰ کسی کی توثیق کا محتاج نہیں البتہ ابن قطان کے متعلق علماء جرح و تعدیل کی رائے بیان کرنا ضروری ہے تاکہ حدیث کی صحت کے متعلق کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ علامہ زرقانی ان کے متعلق لکھتے ہیں الحافظ الناقد ابو الحسن علی بن محمد ابن عبد الملک الحمیری۔ کان من ابصر الناس بصناعۃ الحدیث واحفظھم لاسماء رجالہ واشدھم عنایۃ فی الروایۃ معروفا بالحفظ والاتقان (زرقانی علی المواہب اللدنیہ جلد اول ص۴۴)

یہ حافظ اور نقاد حدیث تھے۔ ان کا نام ابو الحسن علی بن محمد ہے۔ فن حدیث میں ان کی بصیرت اپنے ہمعصر لوگوں سے زیادہ تھی۔ وہ اسماء الرجال کے حافظ تھے۔ روایت میں وہ انتہا درجہ کی احتیاط برتا کرتے۔ وہ اپنے حفظ اور اتقان کے باعث مشہور و معروف تھے۔

حضرت جابر نے حضور فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واطیب التحیات سے پوچھا یا رسول اللہ بابی انت وامی اخبرنی عن اول شیئ خلقہ اللہ تعالیٰ قبل الاشیاء قال یا جابر ان اللہ تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک۔

(رواہ عبدالرزاق بسندہ) یعنی حضرت جابر نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں۔ مجھے یہ بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کونسی چیز پیدا کی۔ حضورؐ نے فرمایا اے جابر اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا۔ ان صحیح احادیث (جن کی تصحیح اور توثیق مولانا تھانوی نے نشر الطیب میں کی ہے) سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کی ذات والاصفات عالم امکان میں سب سے مقدم ہے۔ آدم وابراہیم بلکہ عرش و کرسی سے بھی بہت پہلے۔ حضورؐ کی دیگر صفات کی طرح نبوت و بشریت حضورؐ کی صفتیں ہیں۔ اہل معرفت کی اصطلاح میں اسی نور کو حقیقتِ محمدیہ کہا جاتا ہے۔ والحقیقۃ المحمدیۃ حقیقۃ الحقائق ہے۔ وبھذا الاعتبار سمی المصطفیٰ بنور الانوار و باب الارواح (زرقانی) یعنی اسی وجہ سے حضورؐ کو نور الانوار اور تمام ارواح کا باپ کہا جاتا ہے۔

یہ مسئلہ بڑا نازک ہے۔ مجھ جیسے کم علم کو یہ زیبا نہیں کہ میں اس میں اپنی خیال آرائی کو دخل دوں۔ بہتر یہی ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ کی تحقیقات ہدیۂ ناظرین کرنے پر اکتفا کروں جن کا علم و تقویٰ اہلِ شریعت و اہلِ طریقت دونوں کے نزدیک مسلّم ہے اور جن کا قول ساری امت کے نزدیک حجت ہے۔ اس لیے میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں۔ شاید جلوۂ حسن محمدی کی جھلک دیکھ کر کوئی چشم اشکبار مسکرا دے کسی کے دل بے قرار کو قرار آجائے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"جاننا چاہیے کہ پیدائش محمدی تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خُلِقْتُ مِن نور اللہ کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے جو صفاتِ اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے۔ ممکناتِ عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن آنحضرت کا وجود مشہود نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی خلقت و امکان کا منشا عالم ممکنات میں ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اس عالم سے برتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب جہان میں ان سے لطیف کوئی نہیں تو پھر ان کا سایہ کیسے متصور ہو سکتا ہے"۔ (دفتر سوم ترجمہ مکتوب ۱۰۰ صفحہ ۲۶۶)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضورؐ صفتِ بشریت سے متصف ہیں اور حضورؐ کی بشریت کا مطلقاً انکار غلط سراپا غلط ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضورؐ کو بشر کہنا درست ہے یا نہیں۔ جملہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ پر نور کی تعظیم تکریم فرض عین ہے اور ادنیٰ سی بے ادبی سے ایمان سلب ہو جاتا ہے اور اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے وتعزروہ وتوقروہ اب دیکھنا یہ ہے کہ بشر کہنے میں تعظیم ہے یا تنقیص، ادب و احترام ہے یا سوء ادبی۔

رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۲

رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو ۱۲۶

پہلی صورت میں بشر کہنا جائز ہوگا اور دوسری میں ناجائز۔ مہر سپہر علم و عرفان حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس عقدہ کا جو حل پیش کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد کوئی اشتباہ نہیں رہتا۔ آپ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ بشر مفہوماً اور مصداقاً شخص بکمال ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کو بشر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انھیں اللہ تعالے نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔ ارشادِ باری ہے: مامنعک ان تسجد لما خلقت بیدی۔ (اے ابلیس جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس نے روکا) کیونکہ اس پیکر خاکی کو اللہ تعالے کے ہاتھ لگنے کی عزت نصیب ہوئی۔ اس لیے اسے بشر کہا گیا ہے۔ اس خاک کے پتلے کی اس سے بڑھ کر عزت افزائی کیا ہو سکتی ہے نیز یہی بشر ہے جو آپ کے الفاظ میں کمال استجلاء کے لیے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت کمال سے محروم ٹھہرے۔ یہ دونوں چیزیں اگر ذہن نشین ہوں تو بشر کہنا عین تعظیم و تکریم ہے مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس و ناکس سوائے اہلِ تحقیق و اہلِ عرفان رسائی نہیں رکھتا لہٰذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ خص الخواص کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کے لیے جائز اور عوام کے لیے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز ہے۔"

(فتاویٰ مہریہ ص۱ مطبوعہ ۱۹۶۲ء)

۱۲۵ء غور طلب بات یہ ہے کہ یہ مماثلت کس چیز میں ہے مراتب و درجات وہبی ہوں یا کسبی، کمالات علمی ہوں یا عملی، عادات و خصائل، رُوحِ پُرنور بلکہ جسمِ عنصری تک میں کسی کو مماثلت تو کجا ادنےٰ مناسبت بھی نہیں۔ پھر یہ مماثلت جس کا ذکر اس آیت میں ہے کونسی ہے اور کہاں پائی جاتی ہے۔ یقیناً صرف ایک بات میں مماثلت ہے وہ یہ ہے کہ انہ لا الٰہ الا ھو وہ بھی ایک خدا لہٗ وحدہٗ لا شریک کا بندہ ہے جس کے تم بندے ہو اس کا بھی وہی خالق و مالک ہے جو تمہارا خالق و مالک ہے۔

۱۲۶ء عمل کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔ جہاں ریا آگئی وہ عمل ضائع ہو گیا۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من صلی یرائی فقد اشرک ومن صام یرائی فقد اشرک ومن تصدق یرائی فقد اشرک

یعنی جس نے ریاکاری سے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ جس نے ریاکاری سے روزہ رکھا اس نے شرک کیا۔ جس نے ریاکاری سے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں انھیں شداد رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت شداد رونے لگے۔ رونے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک بات سنی تھی جس نے مجھے رُلا دیا۔ میں نے حضور

کو یہ فرماتے سُنا الخوف علی امتی الشرك والشهوة الخفية ۔ کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میری امت شرک اور شہوتِ خفیہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اتشرك امتك من بعدك ۔ کیا حضور کی اُمت حضور کے بعد شرک کرنے لگے گی؟ قال نعم اما انهم لا يعبدون شمسا ولا قمرا ولا حجرا ولا وثنا ولكن يراءون باعمالهم حضور نے فرمایا ہاں۔ لیکن وہ سورج چاند کی پوجا نہیں کریں گے۔ اور نہ کسی پتھر اور بُت کی عبادت کریں گے، بلکہ وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کریں گے۔ ان احادیث سے واضح ہوا کہ کوئی کام خواہ کتنا نیک اور عمدہ ہو اگر اس میں ریا اور نمود آجائے گی تو بارگاہِ رب العالمین میں وہ قطعاً منظور نہیں ہوگا۔ وہاں تو وہی عمل مقبول ہوتا ہے جس سے فقط اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی مطلوب ہو۔ ریا سے بچنا بڑی مشکل بات ہے۔ نفس کی انگیخت اور شیطان کی وسوسہ اندازی سے محفوظ رہنا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ ہر کس و ناکس میں یہ ہمت و عزم کہاں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے رسول کریم نے ہماری کمزوریوں پر رحم فرماتے ہوئے ہمیں ایسا طریقہ بھی تعلیم کر دیا جس کے ذریعے ہم شیطان کی شرانگیزی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ حضور کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے شرک کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :۔

هو فيكم اخفى من دبيب النمل وساد لك على شيئ اذا فعلته اذهب عنك صغار الشرك وكباره تقول اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ تقولها ثلاث مرات ۔ (قرطبی)

یعنی شرک چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ تم میں مخفی ہوتا ہے۔ میں تمھیں ایک دعا سکھاتا ہوں۔ اگر تم یہ مانگو گے تو اس کی برکت سے چھوٹا اور بڑا ہر قسم کا شرک تم سے دور ہو جائے گا۔ الفاظ یہ ہیں انھیں تین بار کہے :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اُشْرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا اَعْلَمُ۔

اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیرے ساتھ دانستہ شرک کروں اور میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اس شرک سے جو نادانستہ مجھ سے سرزد ہو۔